بچوں کے لئے
سبق آموز کہانیاں
گلستان
ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

انتساب

بلبل شیراز مصلح الدین شیخ سعدی کی روح پرنور کی خدمت میں!

رضا محمد قریشی

عرض ناشر

بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہوتے ہیں اور چمنستان ہستی کے پھول ہیں ان کے اخلاق بھی پھول کی پتیوں کی طرح نازک ہوتے ہیں اچھا اور دلچسپ لٹریچر ان کیلئے بادبہار اور فحش لٹریچر ان کیلئے بادسموم کی حیثیت رکھتا ہے۔

بزرگوں نے بچوں کے اخلاق سنوارنے اور ان کی عقل وحکمت میں اِضافہ کرنے کیلئے بڑی مفید کتب تحریر کی ہیں جن میں سے عالمی شہرت کی حامل ایک کتاب گلستان سعدی بھی ہے۔اس کی طرز پر بہت سی کتب مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

مہدی آذر یزدی ایک ایرانی ادیب ہیں انہوں نے ایسی بہت سی کتابوں کا نچوڑ نکال کر ایک کتاب گلستان وملستان کے نام سے مرتب کی ہے۔اس کی ہمہ جہت افادیت کے مدنظر اس کا اردو زبان میں ترجمہ شائع کیا جارہا ہے۔اُمید ہے والدین اپنے پیارے پیارے پھولوں کیلئے اس کتاب کو ہر لحاظ سے مفید پائیں گے اور بچے اسے پڑھ کر نہ صرف محظوظ ہوں گے بلکہ اس سے ان کے علم وادب میں ترقی ہوگی اور فہم وفراست میں اضافہ ہوگا۔

طالبِ دعا

میجر (ر) پیرزادہ محمد ابراہیم شاہ

بچوں سے چند باتیں

بچوں کے عمدہ قصوں کی ساتویں کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب کے قصے **گلستان** اور **ملستان** سے لئے گئے ہیں۔

گلستان سے مراد گلستان سعدی ہے۔

سعدی شیرازی نے یہ کتاب اپنی نظم کی کتاب بوستان کے کئی سال بعد دوستم بہار سال ۶۵۶ ھ میں لکھی ہے اس وقت سعدی کی عمر ۵۶ سال تھی اور چالیس سال سے شاعری کر رہے تھے۔آپ کی شاعری کی شہرت ایران کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی تھی بلکہ استاد غزل کے نام پر مشہور تھے۔

سعدی نے بیس سال سیر و سیاحت، دنیا دیکھنے اور تجربہ حاصل کرنے میں گزارے ہیں۔انہوں نے اس سفر میں کئی تکالیف برداشت کیں۔کئی باتیں دیکھیں اور سنیں۔

وہ چاہتے تھے کہ ان کا خلاصہ تحریر کریں، جو رہتی دنیا تک قائم رہے، اس لئے کتاب گلستان تحریر کی۔

گلستان نہایت ہی آسان اور عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کی عبارت اس زمانہ کی کتابوں سے زیادہ فصیح لیکن معانی کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے۔

سعدی کی نظم ونثر پاکیزہ اور سنجیدہ ہے جو اپنے گونا گوں مطالب کی بدولت شیریں اور پسندیدہ ہے۔گلستان کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور ہر خاص و عام توجہ کا مرکز بن گئی۔اس لئے جس شخص کو نثر و نظم میں دسترس حاصل تھی اس کی آرزو تھی کہ گلستان کی طرح اپنی یادگار دنیا میں چھوڑ جائے تاکہ اس کا نام عزت و افتخار سے لیا جائے لیکن کئی صدیوں تک اہل علم و ادب نے کوشش کی کہ گلستان کی طرز پر کتاب لکھیں اور سعدی کی تقلید کریں لیکن سات صدیوں تک گلستان کی طرح کوئی کتاب مشہور اور عزیز نہ ہوسکی۔

گلستان سعدی دنیا کے ہر حصہ میں پہچانی اور پڑھی جاتی ہے لیکن اس طرز کی کسی دوسری کتاب کو اتنی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ میں نے گلستان کی ایک دو حکایات کے ساتھ ساتھ دوسری کتابوں کے بھی چند قصے منتخب کئے ہیں، جن کا نام ملستان تجویز کیا ہے۔

ملستان کے معنی میخانہ ہے لیکن اس نام کی کوئی کتاب موجود نہیں بلکہ میرا اشارہ ان کتابوں کی طرف ہے جو گلستان کی طرز پر لکھی گئی ہیں اس لئے یہی نام ان کتابوں کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک مہمل کلمہ گلستان کی ہمراہی کرتا ہے۔

اگر گلستان کی طرز کی کئی کتابیں موجود ہیں جنھیں میں نے پڑھا ہے اور جو قصے مجھے زیادہ پسند آئے انہیں عام فہم زبان میں لکھ دیا ہے۔

گلستان سعدی کے قصے ایسے آراستے و پیراستہ ہیں کہ انہیں کسی دوسری عبارت میں لکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا کتاب اور مصنف سے انصاف نہیں کیا گیا لیکن دوسری کتابوں کے کسی قصہ میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوتی۔

مجھے اُمید ہے کہ عزیزان گرامی میری اس کتاب کو بھی پہلی کتابوں کی طرح پسند کریں گے اور اپنے دوستوں کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیں گے۔

مہدی آذر یزدی

(تہران)

نابینا گداگر اور چور

ایک غریب اور مسکین شخص مزدوری کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کر رہا تھا اتفاقاً سے کسی شہر میں کچھ کام مل گیا اور قناعت سے زندگی بسر کرنے لگا تا کہ کچھ رقم پس انداز کرے۔

اچانک اسے مزدوری سے جواب مل گیا اس نے ادھر ادھر کام کی تلاش کی لیکن کوئی کام نہ ملا۔ اس لئے مجبوراً بیٹھ گیا اور اپنی جمع کردہ رقم خرچ کرنے لگا اور دل میں کہنے لگا پردیس میں زندگی گزارنا بیحد مشکل ہے میری جمع کردہ رقم جلد ختم ہو جائیگی اور دوبارہ تنگ دست اور تہی دست ہو جاؤں گا۔ اب ماہِ رجب شروع ہو گیا ہے اور میرا نام بھی رجب ہے جو عمدہ اور نیک فال ہے بہتر ہوگا کہ اپنے شہر لوٹ جاؤں اور باقی ماندہ رقم خرید و فروخت میں لگا دوں اور اپنے دوستوں کے ہمراہ آرام سے رہوں۔

رجب نے اسی رات اپنا سامان باندھا اور رقم بھی اسی میں چھپا کر ایک گٹھڑی بنالی اس کے بعد اپنے ساتھ **صفر** کے پاس گیا جو اس کی طرح مسافر تھا اور اکٹھے ہی کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ رجب نے اپنے ساتھی کو خدا حافظ کہا اور شہر کے باہر کاروان سرائے میں جا کر قیام کر لیا تا کہ دوسرے دن صبح قافلہ کے ہمراہ اپنے وطن روانہ ہو۔

وہ رات کو دوسرے مسافروں کی طرح کاروان سرائے کے صحن میں اپنی گٹھڑی کے پاس بیٹھ گیا اور مسافروں کی حرکات و سکنات دیکھنے لگا کہ اتنے میں اس کی نظر دِیوار پر پڑی، جہاں لکھا تھا: سامان کی حفاظت اور دیکھ بھال مسافر کی اپنی ذِمہ داری ہے۔

رجب نے اپنے دل میں کہا خوب! سچ کہتے ہیں۔ یہاں مسافروں کی بھیڑ ہے قلیوں، گداگروں، بیگانوں اور اپنوں کی آمد و رفت جاری ہے اگر سرائے کے مالک کی چالیس آنکھیں ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی تمام لوگوں کو نہیں پہچان سکتا اسلئے کہ چور بھی سوداگروں کے لباس میں پھرتے ہیں۔

رجب اپنی جگہ بیٹھا تھا اور دوسروں کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ اسے نیند آ رہی ہے اس نے گٹھڑی اپنے قریب کھینچ لی اور اس پر تکیہ لگا لیا لیکن اس نے سوچا کہ میں اس طرح صبح تک نہیں بیٹھ سکتا اس لئے گٹھڑی کی رسیاں اپنے ہاتھوں سے باندھ لیں اور اس کے پہلو میں لیٹ کر سو گیا۔

صبح سویرے جب قافلے کی روانگی کا وقت ہوا تو رجب بھی اُٹھ بیٹھا۔ اس نے دیکھا کہ گٹھڑی کی رسیاں تو اس کے ہاتھوں سے بندھی ہیں لیکن گٹھڑی کا کچھ اتا پتا نہیں ہے کیونکہ کسی چور نے رسیاں کاٹ دی تھیں اور گٹھڑی لے گیا تھا۔

رجب اپنی آنکھیں ملنے لگا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ خواب میں نہیں ہے بلکہ بیدار ہے اور چور اسکی جمع پونجی لے گئے ہیں وہ ڈرا اور فریاد کرنے لگا اے لوگو! اے لوگو! کوئی شخص میری گٹھڑی لے گیا ہے میری رقم چلی گئی ہے میری گٹھڑی میں ہزار دِرہم تھے سرائے کا دروازہ بند کردو، میں سب کی تلاشی لوں گا۔

بعض لوگوں نے یقین نہ کیا اور کہنے لگے ممکن ہے یہ خود چور ہو اور چاہتا ہو کہ افراتفری پیدا کرے لیکن جن لوگوں نے اسے رات کو دیکھا تھا انہیں یقین تھا کہ گٹھڑی چور ہی لے گئے ہیں اگر کوئی شخص اسے دیکھ لیتا تو ضرور پکڑتا لیکن سب لوگ اپنے کام اور آرام میں مصروف تھے۔ سرائے کے مالک نے بھی لکھ رکھا تھا: سامان کی حفاظت اور دیکھ بھال مسافر کی اپنی ذِمہ داری ہے۔

رجب نے مسافروں کا سامان اچھی طرح دیکھ لیا لیکن گٹھڑی کا کوئی نشان نہ تھا اسلئے اہل قافلہ کہنے لگے اکثر ایسا اتفاق ہو جاتا ہے اب زیادہ غم نہ کرو۔ رقم دوبارہ مل سکتی ہے اور سامان دوبارہ خریدا جا سکتا ہے جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ کسی گاڑی کے نیچے نہیں کچلے گئے۔ سامان کا چوری ہونا بھی ایک سبق ہے اس کے بعد اپنے حواس جمع رکھو گے۔ جب رقم زیادہ ہوتی ہے تو اس کی زیادہ حفاظت کی جاتی ہے۔ ہم رستہ میں تمہاری مدد کریں گے تا کہ اپنے شہر پہنچ جاؤ لیکن رجب نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا تھا اس لئے کہنے لگا، نہیں! اپنے گھر اور شہر خالی ہاتھ لوٹنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میرے سفر کا پہلا قدم غلط ثابت ہوا ہے میں یہیں رہوں گا تا کہ اپنی رقم تلاش کروں۔

جب قافلہ نے حرکت کی تو رجب نے دوسری مرتبہ اہل قافلہ کا ساز و سامان دیکھا لیکن اس کی گٹھڑی کا کوئی نشان نہ تھا اس لئے اُکتا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے انہیں خدا حافظ کہا۔ وہ نہایت پریشان تھا کہ اب کیا کروں گا اور اپنی زندگی ازسرنو کیسے شروع کروں گا۔

رجب شہر کی طرف لوٹا لیکن اس کا دل نہ چاہتا تھا کہ اپنی جائے رہائش پر لوٹے، وہ اپنے دوستوں کو کل خدا حافظ کہہ چکا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ میں انہیں کس منہ سے کہوں گا کہ اپنی پہلی منزل پر گٹھڑی کی حفاظت نہیں کرسکا اور میری ایک عرصہ کی کمائی ضائع ہوگئی ہے شاید اس طرح میرا مذاق اُڑائیں۔

اگر میں سابقہ ٹھکانے پر گیا تو دوسروں پر بوجھ بنوں گا جبکہ ان کی زندگی مجھ سے بھی بدتر ہے وہ غمگین اور غمزدہ چل رہا تھا لیکن اس کے پاؤں آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اتنے میں وہ مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ جہاں اس نے شہر میں آتے وقت پہلی رات گزاری تھی وہ بے اِرادہ داخل ہوگیا۔ وہ تھکا ماندہ تھا اس لئے ایک پھٹی پرانی چٹائی پر بیٹھ گیا جو ایک کونے میں پڑی تھی۔

وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا چونکہ ہر طرف خاموشی تھی اس لئے جلد ہی اسے نیند نے گھیر لیا اور وہیں لیٹ گیا لیکن ابھی وہ خواب اور بیداری کی حالت میں تھا کہ عصا کے تق تق کی آواز سے اُٹھ بیٹھا۔ یہ ایک نابینا گداگر تھا جس کو رجب نے کئی مرتبہ اس شہر میں دیکھا تھا نابینا حوض کے کنارے کھڑا ہو گیا اور کہا اے بھائی! اے بہن! چونکہ نماز کا وقت نہ تھا اور رجب کے علاوہ کوئی شخص وہاں نہ تھا اس لئے اس نے اپنے دل میں کہا، گداگر کیا چاہتا ہے؟ شاید رقم مانگتا ہوگا، اس کے علاوہ اس کا یہاں کیا کام ہے؟

رجب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں گداگر نے دوبارہ اپنا عصا زمین پر مارا اور کہا کوئی شخص یہاں موجود ہے؟ رجب پھر بھی خاموش رہا اور سوچنے لگا نہیں یہاں کوئی نہیں ہے اگرچہ رجب یہاں موجود ہے لیکن وہ تو خود پھوٹی کوڑی کا محتاج ہے۔

جب گداگر نے محسوس کیا کہ یہاں کوئی شخص موجود نہیں ہے تو دالان کی طرف بڑھ گیا جہاں اکثر بے گھر مسافر رات بسر کرتے تھے وہاں پہنچ کر بھی اس نے لوگوں کو آوازیں دیں اور کہا اے بھائیو! کوئی شخص موجود نہیں ہے جو میری رہنمائی کرے اور رستہ بتائے۔

رجب نے اپنے دل میں کہا، معلوم ہوتا ہے گداگر اس جگہ سے واقف ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو سیدھا دالان کی طرف نہ جاتا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت رات کو کسی خاص غرض اور مقصد کیلئے آیا ہے، یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شہر اور کوچوں کو چھوڑ کر گداگری کیلئے مسجد میں آیا ہو، شاید اس کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔ رجب نے چاہا کہ اُٹھ کر اس کی مدد کرے۔ جونہی رجب دالان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ نابینا اب بھی لوگوں کو آوازیں دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے، یہاں کون سویا ہے؟ مجھے جائے نماز لادو۔

رجب نے دل میں کہا، پس بیچارہ نماز پڑھنا چاہتا ہے، بہتر ہوگا کہ اس کی مدد کروں۔

رجب بھی بغیر آواز دیئے دالان میں پہنچ گیا اور چاہا کہ نابینا کے سوال کا جواب دے لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے خاموش رہا۔ نابینا نے دوبارہ کہا، یہ کون ہے جو سانس لے رہا ہے لیکن جواب نہیں دیتا؟ رجب ڈر گیا اور اپنے آپ سے کہا اب جبکہ نابینا سختی سے بات کر رہا ہے تو میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کے قریب جاؤں۔ اسلئے اپنا سانس روک کر ستون کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ گداگر کچھ آگے بڑھا اور کان کھڑے کر دیئے لیکن اسے کچھ سنائی نہ دیا جب اسے یقین ہو گیا کہ دالان میں کوئی شخص موجود نہیں ہے تو واپس لوٹ کر دالان کا دروازہ بند کر دیا اور دروازہ کو اپنے عصا کے سہارے روک دیا تاکہ کوئی شخص دروازے کھولے اور اندر آئے تو عصا کے گرنے سے خبردار ہو سکے۔

نابینا آگے بڑھا اور مسجد کے محراب کے قریب آ گیا اور نہایت تیزی سے سنگریزوں کی تھیلی اور چند پھٹی پرانی کتابیں طاقچہ سے اُٹھائیں اور فرش پر رکھ دیں اور پلاس کی مدد سے فرش سے اینٹیں اُکھیڑنے لگا جس سے چھوٹا سا گڑھا بن گیا۔ نابینا نے گڑھے سے ایک چمڑے کی تھیلی نکالی اور جیب سے کچھ نکال کر تھیلی میں رکھ دیا اور دوبارہ گڑھے میں ڈال کر اس پر اینٹیں اور فرش بچھا دیا اور فرش کے کونوں کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ نیز کتابیں اور دوسری چیزیں بھی طاقچہ میں رکھ دیں اور کچھ دیر بیٹھ کر دالان میں آ گیا اور خاموشی سے لیٹ گیا تاکہ اچھی طرح سمجھ لے کہ یہاں پر کوئی شخص موجود ہے یا نہیں؟ جب اسے پوری طرح تسلی ہو گئی تو جس رستہ سے آیا تھا اسی پر واپس چلا گیا۔

جب گداگر چلا گیا تو رجب کئی طرح کے وَسوسوں میں ڈوب گیا کہ جا کر دیکھے کہ تھیلی میں کیا چیز ہے؟ وہ آگے بڑھا اور اسی ترتیب سے سنگریزوں کی تھیلی اور کتابیں ایک طرف رکھ دیں اور نہایت احتیاط سے فرش کی اینٹیں اُکھیڑ کر ایک طرف رکھ دیں اور تھیلی گڑھے سے نکال لی اس تھیلی میں تیرہ چھوٹی چھوٹی تھیلیاں موجود تھیں جو سب کی سب رقم سے بھری تھیں رجب نے تھیلی بغل میں دبالی اور فرش کو اسی ترتیب سے ہموار کر دیا اور مسجد کے پچھواڑے جا پہنچا جہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ اس نے رقم گنی تو دیکھا کہ اس میں تیرہ سو دینار موجود ہیں اس لئے کہنے لگا یہ رقم تو میرے اثاثہ کے عین مطابق ہے جو چور لے گیا ہے۔ میری گٹھڑی میں بھی ایک ہزار دینار نقد اور دوسرے سامان کی قیمت تین سو دینار تھی۔

رجب سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور اس رحمت کے فرشتے کے ذریعے میری رقم واپس مل گئی ہے لیکن نہیں اگر یہ گداگر غیبی فرشتہ ہوتا تو اسے فرش میں دفن نہ کرتا بلکہ مجھے آواز دیتا اور کہتا آؤ رجب! یہ رقم لے لو۔ ہاں! اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اگر یہ رقم لیتا ہوں تو اسے لوٹانے کیلئے مجھے کافی وقت کی ضرورت ہوگی اور یہ نہایت ظلم ہوگا کہ نابینا گداگر کی رقم لے لوں۔ وہ بیچارہ گداگری کرتا ہے اور میں اس کی رقم لیکر بھاگ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ ہوگی ہاں! اگر یہ رقم بطورِ قرض لے لوں تو کیسا ہوگا؟ وہ تو گداگر ہے اور لوگ اسے رقم دیتے رہیں گے لیکن میں تو گداگری بھی نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے اسکی جمع پونجی اور بھی ہو جسے اپنے گھر یا کسی دوسری جگہ چھپا رکھا ہو۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی پر اعتماد نہیں ہے اور نہ ہی اسے کوئی امانتدار مل سکا ہے اس لئے اپنی رقم یہاں چھپا دیتا ہے بلکہ میں اس رقم کا زیادہ مستحق ہوں نیز قرض لینا گناہ بھی نہیں ہے۔ اگر میں اس کے پاس جا کر قرض مانگتا ہوں تو مجھے صاف انکار کر دے گا پس سر دست بغیر اجازت رقم لے لیتا ہوں اور جب میرے پاس زیادہ رقم ہو گئی تو اسے تلاش کر کے لوٹا دوں گا۔

رجب نے تھیلی بغل میں دبا رکھی تھی۔ وہ آگے بڑھا اور اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا، میرے لئے اس معاملہ کا فیصلہ اتنا جلد ممکن نہیں ہے اللہ تعالٰی نے گداگر کو اس لئے بھیجا ہے کہ میری مدد کرے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے تھکا دیا تھا اور مسجد میں بٹھا دیا تھا تاکہ اپنا مال حاصل کرلوں۔

ہاں! جب کوئی شخص برائی کرتا ہے تو خود شیطان بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے اس طرح رجب نے بھی اپنی دلسوزی اور پریشانی کے باوجود اپنے آپ کو تسلی دی اور وہاں سے چل دیا۔ اس نے تین سو دینار سے اپنا ضروری سامان خریدا اور ہزار دینار اپنے لباس میں چھپا لئے۔ اب وہ اپنی سابقہ منزل پر نہ گیا اور اس شہر سے نکلنے کی تیاری کرنے لگا لیکن پھر بھی اپنے کام سے سخت شرمندہ اور ناراض تھا۔ دوسرے دن وہ شہر گھوم پھر رہا تھا تو اس نے نابینا گداگر کو دیکھا جو زیرِ لب گنگنا رہا تھا لیکن نہایت خوشحال دکھائی دیتا تھا۔ رجب نے اسکا تعاقب کیا جو مسجد کی طرف بڑھ رہا تھا جب وہاں پہنچا تو گذشتہ رات کی طرح اپنا کام انجام دینے لگا اور اس کا ہاتھ گڑھے میں پہنچ گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ تھیلی وہاں نہیں ہے تو اپنا ہاتھ پیشانی پر پھیرا لیکن کچھ نہ کہا، اس نے جیب سے چھوٹی سی تھیلی نکالی اور وہیں رکھ کر فرش کو ہموار کر دیا اور دالان میں آ کر بیٹھ گیا۔

رجب اپنے دل میں کہنے لگا اگر وہ اسی طرح وہیں بیٹھا رہا اور گداگر نے مجھے تلاش کر لیا تو کیا ہوگا؟ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور کہا، میں ظہر تک یہیں رہوں گا جب لوگ نماز کیلئے آئیں گے اور آمد و رفت شروع ہوگی تو چلا جاؤں گا۔ گداگر گہری سوچ میں ڈوبا تھا اس کے ساتھ ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور تھیلی اُٹھا کر چلا گیا۔

رجب اپنے دل میں کہنے لگا اب تو ثابت ہوگیا ہے کہ یہ رقم میرے لئے نہیں بھیجی گئی لیکن اب تو جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ جب یہ گداگر روزانہ اتنی رقم کا مالک بنتا ہے تو اسے رقم کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے اگر اللہ تعالٰی کو منظور ہوا تو ایک دن اس کی رقم لوٹا دوں گا اور اپنا حساب صاف کرلوں گا۔ اب رجب مسافر تھا اس لئے اگلے دن ایک قافلے کے ہمراہ اپنے شہر لوٹ گیا۔ اس نے مفت حاصل کی ہوئی رقم تجارت میں لگا دی اور پھیری میں مال و اسباب بیچنے لگا۔ جب اسکا کام چل نکلا تو ایک دوکان لے لی اور گندم کی خرید و فروخت کرنے لگا۔ اسکی تجارت پھلنے پھولنے لگی اور بہت جلد مالدار بن گیا۔ دو سال کے بعد قافلہ کے ہمراہ مکہ گیا اور حاجی رجب بن گیا۔ اب اس نے ارادہ کرلیا کہ گداگر کو تلاش کرے اور بے اجازت لی ہوئی رقم واپس کرے اور اس سے معافی مانگے اسی طرح جب تین سال گزر گئے۔ تو ایک دن اتفاقاً جب وہ اپنے کام کاج کیلئے جا رہا تھا اس نے دیکھا کہ بازار میں وہی نابینا گداگر کھڑا ہے اور خاموشی سے ہاتھ پھیلا رکھا ہے حاجی رجب دل میں کہنے لگا یہ گداگر میرا محسن، قرض خواہ ہے اور اس شہر کا مہمان ہے میرا فرض بنتا ہے کہ اسکے ہاتھ پر کچھ رقم رکھ دوں اور پوچھوں کہ جب سے تمہاری رقم گم ہوئی ہے تمہیں کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے اگر میں نے اپنا قرض ابھی اسے واپس کر دیا تو خوش ہوگا ممکن ہے اسے رقم کی ضرورت بھی ہو۔

حاجی رجب اپنے آپ سے کہنے لگا، جب لوگ کسی کے مقروض ہوتے ہیں تو خوش نہیں رہتے لیکن خود پسندی اور غرور انہیں مجبور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے قرض خواہ کو رقم کی ضرورت نہیں ہے اس لئے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرتے ہیں۔

بہر حال حاجی رجب آگے بڑھا اور نابینا کے ہاتھ میں ایک سکہ رکھ دیا اور سوچنے لگا جب میں اس سے اصل موضوع پر بات کروں گا اور لازمی طور پر خوش ہوگا اور کہے گا نہیں جناب! میری رقم واپس نہیں ملی، اللہ تعالیٰ چور پر لعنت بھیجے اور اس قسم کی دوسری نفرتوں کا اظہار کریگا۔ اس کے بعد پوچھوں گا کہ تمہاری رقم کتنی تھی جو چرائی گئی ہے؟ جب وہ اپنی داستان بیان کرے گا تو میں بھی کہہ دوں گا خوب! اب اسے لعنت ملامت نہ کرو، شاید چور کا علم ہو جائے اگر چاہو تو تمہارے دل کی پریشانی دور کرنے کیلئے تیار ہوں اور اسی اندازہ کے مطابق تمہیں رقم دے سکتا ہوں، مجھے نیک دل سمجھتے ہوئے قبول کرلو اور میں بھی آسودہ خاطر ہو جاؤں گا۔

حاجی رجب اپنے خیال کے مطابق شرعی جواز ڈھونڈ رہا تھا اس لئے گداگر سے پوچھنے لگا میں نے سنا ہے چند سال قبل تمہاری رقم گم ہوگئی تھی کیا مل گئی تھی؟ گداگر نے حاجی رجب کے اندازہ کے مطابق گفتگو نہ کی اور حاجی رجب کی باتیں سنتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فریاد کرتے ہوئے کہنے لگا اے چور! اے لوگو! میری مدد کرو میں نے چور تلاش کرلیا ہے۔ آؤ میری مدد کرو اس شخص نے میری رقم چرائی ہے۔

گداگر کے شور و غل سے کئی لوگ جمع ہوگئے اور حاجی رجب پریشان ہو کر کہنے لگا اے شریف آدمی! خواہ مخواہ کیوں تہمت لگا رہے ہو میں تمہارا حال احوال پوچھ رہا تھا، اگر واقعی تمہاری کوئی چیز گم ہوئی ہے تو میں اس کی تلافی کیلئے تیار ہوں۔ لیکن تم تو مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو؟ میں تمہاری رقم کے چور کو نہیں پہچانتا۔ میں نے تو صرف یہی سنا تھا کہ تمہاری رقم گم ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کسی چیز کا علم نہیں ہے۔ ہاں! اب مجھے بتاؤ کہ تمہاری رقم کتنی تھی؟ لیکن رونے دھونے اور چلانے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے؟ کیا تم اپنی بھلائی نہیں چاہتے؟

گداگر نے اپنی آواز بھی بلند کردی اور کہا، میری رقم کے چور تم ہو؟ اے لوگو! میری مدد کرو، مجھے رقم کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن میری خواہش ہے کہ اس بے انصاف چور کو قاضی کے ہاں لے جاؤں اور اسی سے مدد مانگوں۔ سپاہی کو بلاؤ، داروغہ کو اطلاع دو مجھے قاضی کی عدالت تک لے جاؤ۔ جب تک میرا مقصد حاصل نہیں ہوتا اس چور کو معاف نہ کروں گا۔

اس دوران کئی لوگ جمع ہوگئے تھے جو کہہ رہے تھے ممکن ہے اس گداگر کو شبہ ہوا ہو۔ بہر حال حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اسکے بعد حاجی رجب سے کہنے لگے، تم فکر نہ کرو، یہ گداگر اس شہر کا باشندہ نہیں ہے بلکہ مسافر ہے اور دو تین دن سے یہاں آیا ہے۔ ممکن ہے اسے دھوکہ ہوا ہو اس لئے اسے زیادہ پریشان نہ کرو اگر قاضی کے ہاں جاؤ گے تو تمہیں ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔

سپاہی اور داروغہ کو اطلاع دے دی گئی۔ سپاہی آئے اور نابینا گداگر اور حاجی رجب کو داروغہ کے پاس لے گئے۔ گداگر نے کہا تین سال قبل میری رقم چرائی گئی ہے اب میں نے چور پکڑ لیا ہے اور آپکے سامنے ہے اسلئے بہتر ہوگا کہ اسے قاضی کے ہاں لیجاؤں اور اپنا مقدمہ ثابت کروں۔

حاجی رجب کہنے لگا، خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی مدد کروں اس لئے کہ میں نے سن رکھا تھا کہ اسکی رقم گم ہوئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکی پریشانی دُور کروں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ سے اُلجھ پڑیگا، تہمت لگائے گا اور میری عزت برباد کرے گا۔ اس شہر میں میرا اچھا خاصا کاروبار ہے، مجھے چوری کی کیا ضرورت ہے؟ بہتر ہوگا کہ قاضی کے پاس جائیں مجھے بھی اس شخص سے شکایت ہے۔ مسخرہ بازی نہیں ہے۔ کیا گداگر کی امداد کرنا گناہ تو نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کے جھگڑے یا شور شرابے سے رقم نہیں مل سکتی۔

داروغہ نے مجبوراً انہیں قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی نے دونوں کی شکایت اور بیانات سنے اور گداگر سے کہا، اس شخص کا ہاتھ چھوڑ دو، میں اس کا ضامن ہوں اب یہ بھاگ نہیں سکتا۔ میں معاملہ کی تحقیق کروں گا۔

جب مدعی اور مدعا علیہ الگ الگ ہوگئے تو قاضی نے دونوں کے بیانات علیحدگی میں لئے۔ حاجی رجب نے دوبارہ اپنے الفاظ دُہرائے اور کہا میں نے چند باتیں سنی تھیں اسلئے چاہا کہ اس کا تمام واقعہ دریافت کروں۔ اگر سچ ہوا تو اس کی امداد کروں لیکن اس بے انصاف نے مجھے بے آبرو کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اسلئے اپنے کئے سے پشیمان ہوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ گداگر ایسی حرکت کریگا۔

قاضی نے گداگر سے بھی علیحدگی میں دریافت کیا اور کہا، تمہارا نابینا ہونا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن گداگری کوئی اچھا پیشہ نہیں ہے تجھے تو اس شخص کا ممنون ہونا چاہئے تھا کہ یہ تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔ اگر تیری رقم چوری ہوئی ہے تو اس کا مطالبہ کر سکتے ہو لیکن بغیر ثبوت ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ تیری رقم کا چور یہی شخص ہے؟

گداگر نے کہا، جناب! میرے پاس پورا ثبوت اور دلیل موجود ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جو شخص برا کام کرتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بے انصاف کیوں نہ ہو وہ ذہنی اور دلی طور پر پریشان رہتا ہے بلکہ ایسا شخص اپنی ذات سے بھی شرمندہ ہوتا ہے اور چاروناچار ہاتھ پاؤں مارتا ہے تاکہ خوف اور ڈر سے رہائی حاصل کرے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے لیکن اکثر اوقات اس کی سوچ اس کیلئے بدنامی بن جاتی ہے۔ گداگر نے کہا، جب میری رقم گم ہوئی تھی، میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ کسی سے ذکر نہ کروں گا اس لئے ایک راز کی طرح اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ راز میرے اور چور کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا اس لئے اگر کسی نے اس موضوع کی طرف اشارہ بھی کر دیا تو خود ہی چور ہوگا میں ہر وقت لوگوں کو دعائیں دیتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ میری رقم کی حفاظت کرے اس ترتیب سے چور بھی سمجھتا تھا کہ شاید لوگوں کو چور کا علم ہو جائے اور میں بھی نتیجہ اور انجام کا منتظر رہا

اگر یہ شخص چور نہیں ہے تو اسے کیسے معلوم ہے کہ میری رقم چرائی گئی ہے؟ حالانکہ میں نے آج تک کسی سے ذکر نہیں کیا ہے۔
قاضی نے کہا، بہت عمدہ دلیل ہے اسکے بعد حاجی رجب کو علیحدگی میں بلایا اور کہا، تم نے کس سے سنا تھا کہ اس گداگر کی رقم گم ہوئی ہے؟

حاجی رجب نے کہا، مجھے دُرست یاد نہیں ہے البتہ کئی لوگ کہہ رہے تھے کہ اس کی رقم گم ہوئی ہے بلکہ اس نے خود بھی آپکو بتایا ہے۔

قاضی نے کہا، ہاں! اس نے خود آج بتایا ہے لیکن اس سے پہلے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اگر تمہیں یاد ہو کہ جس شخص نے تجھے یہ واقعہ بتایا ہے تو اس کی نشاندہی کردو۔ اسکے بعد تم سے ہمارا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اس صورت میں ہم تجھ سے معافی مانگیں گے اور بازار میں بھی منادی کرادیں گے کہ گداگر کو شبہ ہوا تھا۔ اس طرح تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔

حاجی رجب نے کہا، میں کسی کا نام نہیں لے سکتا اس لئے کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کہاں سے سنا تھا۔

قاضی نے کہا، اسطرح تم پر الزام ثابت ہوسکتا ہے اب اسکے حل کی دو صورتیں ہیں یا تو تجھے نظر بند رکھا جائے تاکہ معاملہ صاف ہوسکے لیکن تمہاری نظر بندی سے شور وغوغا ہر طرف پھیل جائے گا جو تمہارے لئے باعث بدنامی ہوگا۔ ہاں! ایک دوسری صورت بھی ہے کہ تم جو کچھ جانتے ہو اس کا اعتراف کرو اور ہمیں چور کا اتا پتا بتادو تاکہ ہم معاملہ کی تہہ تک پہنچ سکیں اور رقم بھی اس کے مالک کو واپس مل جائے۔ بہر حال تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ چور کی تلاش میں ہماری مدد کرو۔

حاجی رجب نے کچھ سوچا اور قاضی سے کہا، میں دیکھ رہا ہوں کہ کام مشکل بنتا جارہا ہے اب جبکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو سچائی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ میری زندگی کی داستان یہ ہے کہ میں نے مسجد سے اس دن رقم اُٹھائی تھی اسلئے کہ میں اپنے آپکو مستحق سمجھتا تھا اور سمجھا تھا کہ رقم قرض کے طور پر لی ہے آج بھی میرا ارادہ بھلائی کا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے فعل کی تلافی کروں اور حلال کروں لیکن مجھے اتنا معلوم نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائیگا۔ اب آپ جو حکم دیں مجھے منظور ہے۔ گداگر کی رقم تیرہ سو دِینار تھی اب میں پندرہ سو دِینار دینے کیلئے تیار ہوں تاکہ معاملہ دب جائے اور میری عزت بھی بچی رہے۔

قاضی نے کہا، بارک اللہ۔ ہمیشہ نجات سچائی میں ہوتی ہے۔ اب اپنی بات مختصر کرو، اس لئے کہ ہمارے بھی کئی کام ہیں۔

حاجی رجب سے پندرہ سو دِینار لئے گئے تاکہ گداگر کو دیئے جائیں لیکن گداگر کہنے لگا یہاں تک تو کام دُرست ہوگیا ہے۔

انہوں نے کہا، بہت خوب۔ یہ رقم لے لو اور یہاں دستخط کردو یا انگوٹھا لگادو۔

گداگر نے کہا، یہ رقم میرا مال ہے لیکن اس معاملہ میں مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تمام قضیہ لکھا جائے کہ اس شخص نے فلاں تاریخ کو میری رقم چرائی ہے اور اب واپس دیدی ہے تاکہ اس بے انصاف چور کو آپکے سامنے شرمندگی اُٹھانا پڑے اور تمام حاضرین اس پر دستخط بھی کریں۔

قاضی نے کہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں لیکن اب جبکہ تم نے رقم لے لی ہے تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ یہاں سے باہر جا کر لوگوں سے کہتے پھرو اور حاجی رجب کو بدنام کرو۔

گداگر نے قبول کرلیا کہ میں کسی سے ذکر نہ کروں گا، اس لئے تمام واقعات لکھے گئے، رقم گداگر کو دی گئی اور سب لوگ چلے گئے۔

لیکن دوسرے دن گداگر پھر قاضی کی عدالت میں کھڑا تھا اور اپنی شکایت بیان کرر ہا تھا۔ وہ کہتا تھا چور کو بلایا جائے اس سے پوچھا گیا اے شریف انسان! اب تو مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ گداگر نے کہا، حاجی رجب اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اس نے تین سال قبل رقم چرائی تھی اور اب واپس کی ہے، اسلئے قضیہ ختم نہیں ہوا۔ میں نے اسے قرض حسنہ نہیں دیا تھا میں اس رقم سے گندم خریدنا چاہتا تھا لیکن آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ تین سال قبل کے مقابلہ میں گندم کی قیمت دُگنی ہوگئی ہے۔ میں تین سال قبل تیرہ سومن گندم خرید سکتا تھا لیکن اب اس رقم میں ساڑھے چھ سومن گندم مل سکتی ہے اس لئے حاجی رجب کو یہ خسارہ پورا کرنا چاہئے وگرنہ میں بھی اپنا قول واپس لیتا ہوں اور بازار جا کر حاجی رجب سے معاملہ خود طے کرتا ہوں۔

قاضی نے کہا، میرے خیال کے مطابق تم نے رضا مندی ظاہر کردی ہے اور مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے اگر تم ضد کرتے ہو تو اسے بلا لیتے ہیں تاہم خواہ مخواہ جھگڑا مول لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

گداگر نے کہا، میں نے اصل زر وصول کرلیا ہے اور رسید بھی دے دی ہے لیکن میرے خیال میں ابھی تک گائے کا سر مٹکے میں پھنسا ہوا ہے۔

حاجی رجب آیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص اب کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا، یہ کہتا ہے میں نے یہ رقم گندم کی خرید کیلئے جمع کی تھی لیکن اب گندم کی قیمت دُگنی ہوگئی ہے۔

حاجی رجب بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا، میں عزت دار شخص ہوں اور ایک عام گداگر سے اُلجھنا نہیں چاہتا۔ چلو! اس کا یہ مطالبہ بھی تسلیم کرلیتے ہیں۔ وہ رقم مجھے واپس دے دے اور تیرہ سومن گندم لے کر چلا جائے گندم کی بار برداری کا کرایہ بھی میں ادا کروں گا تا کہ اپنے شہر لے جائے۔

گداگر نے کہا میں کسی چور سے کوئی جنس نہیں خریدتا اور اپنی حلال رقم حرام نہیں کرتا۔ میں اپنا خسارہ نقدی کی صورت میں پورا کرونگا اور سمجھوں گا کہ اپنا حق لے لیا ہے۔

حاجی رجب بہت پریشان تھا لیکن رسوائی کی روک تھام بھی ضروری سمجھتا تھا اس لئے کہنے لگا آؤ بابا! یہ تیرہ سو دینار مزید لے لو اب جاؤ اور حاجی رجب کے حق میں دعا کرو۔ دونوں نے خوشی کا سانس لیا اور چلے گئے۔

دوسرے دن صبح نابینا گداگر پھر قاضی کی عدالت میں آگیا اور کہنے لگا مجھے رقم مل گئی ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ گندم خریدوں۔

قاضی نے کہا، ہاں ہاں! شوق سے خریدو لیکن یہاں کس لئے آئے ہو؟

گداگر نے کہا، مجھے حاجی رجب سے شکایت ہے۔

قاضی نے کہا تجھے اب کونسی شکایت ہے؟ تم نے تو کھیل تماشا بنالیا ہے اور روزانہ نیا مقدمہ دائر کردیتے ہو؟ مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے اب تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ حاجی رجب کی ذات سے ناجائز فائدہ اُٹھاؤ وہ شریف انسان ہے اسلئے اس نے تجھ دُگنی رقم دیدی ہے ہاں! اب اکیا کہنا چاہتے ہو؟

گداگر نے کہا، حاجی رجب نے تمام مطالبات تسلیم کرلئے ہیں اور مجھے دُگنی رقم دے دی ہے اور آپ کے قول کے مطابق وہ شریف اور اچھا انسان بھی ہے لیکن کیا میں انسان نہیں ہوں؟ کیا مجھے حق نہیں پہنچتا کہ آسودی سے زندگی بسر کروں؟ کیا میری پیشانی پر لکھا ہے کہ ہمیشہ گداگری کروں؟ کیا میں گندم کی خرید و فروخت نہ کروں اور عزت کی زندگی بسر کروں تاکہ اچھا انسان بنوں؟ اسے کہا گیا، کیوں نہیں! تمہیں بھی حق حاصل ہے۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ تجھے یہی باتیں کہیں کہ گداگری نامناسب اور غیر شرعی پیشہ ہے اس سے سوائے سستی اور بے شرمی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ صحت مند لوگوں کو اس پیشے سے جرمانہ بھی کیا جاتا ہے۔ ہاں! تجھے اپنی رقم مل گئی ہے جاؤ اور اپنے کام میں لگ جاؤ اور گداگری نہ کرو۔ اب حاجی رجب سے تمہیں کیا لینا ہے؟

گداگر نے کہا، یہی حاجی رجب، میری بدبختی کا سبب بنا ہے میں تین سال قبل چاہتا تھا کہ گداگری سے اپنا ہاتھ کھینچ لوں اور گندم فروشی کروں لیکن یہ بے انصاف چور، میری جمع پونجی لے گیا اس لئے مجھے مجبوراً مزید تین سال گداگری کرنا پڑی۔ اس دوران کئی تکالیف کا سامنا کرتا رہا اور چور کی گرفتاری کی فکر میں مبتلا رہا۔ ہاں! جناب قاضی! میں تین سال تمام لوگوں سے بدظن رہا، اس طرح میری عمر کے تین قیمتی سال تباہ ہوگئے ہیں۔ میں نے حاجی رجب سے کوئی برائی نہیں کی لیکن اس نے تو مجھ سے برائی کی ہے۔ بے شک اس نے میری رقم لوٹا دی ہے لیکن میری عمر کے تین سال نہیں لوٹائے۔ میرے تین سالوں کی پریشانی کی تلافی نہیں کی۔ اس نے میرے تین سالوں کی بے خوابی اور پریشان حالی کا کوئی علاج نہیں کیا بلکہ تین سال کی گداگری کا بوجھ میری گردن پر ڈال دیا۔

جناب قاضی! اب میں اپنے تین سالوں کے غیر معقول اور غیر شرعی کاموں کے جرمانہ کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ خسارہ پورا کیا جائے اور یہ خسارہ حاجی صاحب ادا کرے یا میری عمر کے تین سال مجھے لوٹا دے۔

قاضی اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے اور حاجی رجب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قاضی اور اس کے ساتھیوں نے حاجی رجب سے کہا دیکھو! گداگر کی باتیں تمہارے خیال میں دُرست ہیں یا نہیں؟

حاجی رجب کو ایک طرف اپنی عزت کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور دوسری طرف جواب دینے کیلئے اس کے پاس الفاظ نہ تھے اس لئے مجبوراً کہنے لگا گداگر کی باتیں دُرست ہیں۔ اسلئے گداگر سے کہنے لگا جناب محترم! چھلکے اور کھال اتار کر صاف صاف کہو کہ اب کتنی رقم کے عوض اپنی رضامندی کا اظہار کرو گے تا کہ میرا پیچھا نہ کرو اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ گداگر نے کہا، تو نے میری رقم چرائی اور مجھے سوائے گداگر کے کہیں کا نہ چھوڑا بلکہ تم اس رقم کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچ گئے اگر تم سچ پوچھتے ہو تو سرمایہ یہ میرا تھا اور کام تم نے کیا۔ اگر تمہارا اثاثہ آدھا آدھا بانٹ لیں تو میں بھی تمہاری طرح مالدار بن سکتا ہوں۔

حاجی رجب نے کہا، اب تم خود ہی دیکھ رہے ہو کہ کتنے بے انصاف انسان ہو؟

گداگر نے کہا، بے انصاف تو تم خود ہو کہ ایک نابینا گداگر کی رقم چرالی، میں اس دن تمہارے لئے رحمت کا فرشتہ تھا لیکن اب عذاب کا فرشتہ ہوں۔ اگر تو نے اس دن برائی نہ کی ہوتی تو آج گرفتار نہ ہوتے۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو میری بات کی تردید کرو، وگرنہ میرا حق ادا کرو، یا پھر اب بھی ہو سکتا ہے کہ میری زندگی کے تین سال مجھے لوٹا دو، تا کہ جوان تر بن کر اپنے کام کاج کیلئے جاؤں اور اپنی رقم سے تجارت کروں۔

حاجی رجب نہایت پریشان تھا کہ اس بدمزاج گداگر سے کیا کہے، اس نے کچھ سوچا اور کہا، میں نے جس دن تمہاری رقم اُٹھائی تھی میں تجھ سے بھی زیادہ بے یار و مددگار اور مستحق تھا۔ میری رقم قافلہ سرائے میں چرالی گئی تھی جو تیرہ سو دینار تھی۔ اسلئے اس حادثہ نے مجھے اس کام پر مجبور کر دیا اور تمہاری رقم بطورِ قرض لے لی، لیکن اب تمہاری باتیں درست نہیں ہیں میں تمہیں جوان نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اپنا نصف سرمایہ تمہارے حوالے کر سکتا ہوں اگر میں نے اس دن برائی کی ہے تو تم آج برائی کر رہے ہو؟ ہاں! میں اپنی برائی سے پشیمان ہوں، اسلئے تم بھی بے انصافی نہ کرو، البتہ میں اس بات کیلئے تیار ہوں کہ تمہاری خوشحالی کیلئے ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیں اور شراکت میں کام شروع کر دیں۔ تو نے گداگری کی ہے اور میں نے چوری کی ہے۔ ہم دونوں کا کام ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے شاید تم اکیلئے گندم فروشی نہ کر سکو۔ لیکن میں یہ کام کر سکتا ہوں اگر ہم دونوں اچھے انسان بن کر رہیں تو ہماری خوب گزرے گی ہاں! یہ تو تم نے نہیں بتایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟

گداگر نے کہا، شعبان۔

حاجی رجب نے کہا، بہت خوب! میں رجب ہوں ہمارے پاس جو کچھ ہے اکٹھا ملا لیتے ہیں اور اپنا تجارتی نام رجب اور شعبان گندم فروش رکھ لیتے ہیں۔ کیا اب راضی ہو؟

گداگر نے کہا، اب ایک چیز باقی رہ گئی ہے۔ میری کچھ رقم رمضان کے پاس ہے اگر اسے بھی اپنے ہمراہ شامل کرلیں اور تینوں ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن جائیں تو خوب گزریگی بلکہ رمضان کا کام بھی چل پڑیگا۔ اس نے بھی بڑی سختیاں برداشت کی ہیں۔

رجب نے کہا، یہ رمضان کون ہے؟

گداگر نے کہا، رمضان وہی شخص ہے جس نے تمہاری رقم اور گٹھڑی قافلہ سرائے میں چرائی تھی بلکہ اس نے بھی تمہارے خیال کے مطابق وہ رقم بطورِ قرض لی تھی چونکہ رمضان میرا واقف کار تھا اس نے اسی رات مجھے تمام واقعہ بتا دیا تھا اور مجھے اس کی راست گوئی بہت پسند آئی لیکن میں نے اپنی رقم کے گم ہونے کی داستان کسی کو نہیں بتائی تھی۔ البتہ کچھ عرصہ تک مسجد کے خادم سے بدظن رہا اور کئی مرتبہ اس کا امتحان بھی لیا لیکن اس کا کوئی گناہ ثابت نہ ہوا۔ میں نے اس کے بعد بھی کئی مرتبہ اپنی رقم وہاں رکھی لیکن گم نہ ہوئی اس لئے سمجھ گیا یہ اس کا کام نہیں ہے۔ اب رمضان بھی اس شہر میں موجود ہے اس نے بھی تمہاری رقم الگ رکھی ہے اور اس شہر میں تمہاری تلاش میں آیا ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ رمضان تجھ سے بہتر ہے کہ تم نے میری تلاش میں ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا میں بھی اس کے ہمراہ اس لئے آیا تھا کہ خدا کرے اپنی تھیلی تلاش کرلوں۔ اب جبکہ تو نے قافلہ سرائے میں اپنے اثاثہ کے گم ہونے کا بتایا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دروازے کے تختے کس خوبصورتی سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہم تین افراد بھی اکٹھے مل کر کھائینگے پئیں گے اور تجارت کرینگے۔ حاجی رجب نے کچھ سوچا اور کہا اچھی تجویز ہے میں نے اپنی رقم اسے بخش دی ہے۔ اب آؤ تا کہ رمضان کے پاس چلیں۔

جب دونوں رمضان کے پاس پہنچے تو رجب نے دیکھا کہ یہ رمضان تو وہی شخص ہے جو پردیس میں میرے ہمراہ رہتا تھا لیکن وہاں اس نے اپنا نام تبدیل کر رکھا تھا۔

تینوں افراد اپنی گزشتہ رُسوائی، پشیمانی اور بے سروسامانی کے باوجود سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے، اب گذشتہ واقعات کو بھول جائیں اور بہتر کام کریں۔ انہوں نے اپنا سرمایہ ایک دوسرے پر رکھ دیا اور غلّہ کی بڑی دوکان بنالی، جس پر لکھ دیا:

﴿ رجب، شعبان اور رمضان گندم فروش ﴾

داڑھی کے بالوں کی گنتی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی کا آخری سال تھا کہ ایک دن آپ نماز ادا کرنے کے بعد منبر پر بیٹھ گئے۔ آپ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اے لوگو! دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی عنقریب اس دُنیا سے رُخصت ہونا ہے پس مجھ سے وہ باتیں پوچھ لو جو تم نہیں جانتے تاکہ تمہاری معلومات میں اضافہ ہو۔

مجلس میں چند لمحے خاموشی رہی اس کے بعد ایک کوئی شخص اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہنے لگا، اے علی! اب جبکہ تم ہر چیز جانتے ہو مجھے بتاؤ کہ میری داڑھی میں کتنے بال ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرائے اور اپنے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے لیکن ابھی آپ نے کوئی بات شروع نہ کی تھی کہ مجلس کی خاموشی ٹوٹ گئی اور ہر طرف سے چہ میگوئیوں کی آوازیں آنے لگیں سب نے اپنی گردنیں بلند کیں اور سوال کرنے والے کو دیکھنے لگے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں۔

حاضرین میں کچھ دشمن بھی موجود تھے اس لئے کہنے لگے علی کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ ہر شخص کی داڑھی کے بالوں کی تعداد الگ الگ ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کیسے معلوم ہے کہ اس کے بالوں کی تعداد کتنی ہے؟

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نادان دوست کہنے لگے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی داڑھی کے بالوں کی تعداد بتادیں گے۔

دانا دوست کہنے لگے جو کچھ بھی ہے علی کا جواب دُرست اور مناسب ہوگا۔ جس شخص نے سوال کیا تھا اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں علی کو میرے سوال کا جواب معلوم ہے یا نہیں؟ اگر اس نے کہہ دیا تین ہزار تو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ جواب دُرست ہے یا نہیں؟ اس طرح مجبوراً علی کا جواب قبول کرنا ہوگا لیکن اس کی دلیل بھی دریافت کروں گا۔ اگر علی نے مزاح کرتے ہوئے جواب دیا کہ تمہاری داڑھی کے بالوں کی تعداد تمہارے سر کے بالوں سے نصف ہے تو اس وقت پوچھوں گا کہ میرے سر کے بالوں کی تعداد کتنی ہے؟ شاید یہ کہہ دے کہ تمہاری داڑھی کے بالوں سے دُگنی، پھر اس وقت اعتراض کروں گا کہ یہ تو مزاح ہے میں تو دُرست جواب چاہتا ہوں۔

چند لحظوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے پوچھا، اے بھائیو! اس سوال کا دُرست جواب کون جانتا ہے؟

حاضرین میں سے کوئی شخص جواب دینے کیلئے تیار نہ ہوا اور مجلس میں چند لمحے خاموشی رہی، اسکے بعد پھر سرگوشیاں شروع ہوگئیں دشمنوں نے دوستوں سے کہا، تم نے دیکھ لیا ہے کہ علی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ نادان دوست کہنے لگے، کیوں نہیں! علی کو سب کی داڑھی، سر بلکہ بدن کے بالوں کی تعداد بھی معلوم ہے۔ ابھی صبر کرو تا کہ سب کچھ معلوم ہو جائے۔ دانا دوست کہہ رہے تھے جلدی نہ کرو، علی چاہتا ہے کہ ہمیں بھی سوچنے کا وقت دے تا کہ تمہارے جواب کی طرف متوجہ ہو۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک آزاد کردہ غلام قنبر نامی رہتا تھا جو علی کے مکتب کا تربیت یافتہ، آپ کا خدمتگار اور جاں نثار تھا۔ سب لوگ قنبر کو پہچانتے تھے جب بھی علی مسجد سے نکلتے تو قنبر آپ کے ہمراہ رہتا۔ اس موقع پر بھی قنبر دروازہ پر نہایت خاموشی سے کھڑا تھا اور گفت وشنید سن رہا تھا۔

جب مجلس سے کوئی شخص جواب دینے کیلئے نہ اُٹھا تو علی نے قنبر کو آواز دی اور کہا، آؤ اور اس شخص کو جواب دو۔

لوگ اسی طرح چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ دشمن کہہ رہے تھے، علی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور پہلوتہی سے کام لے رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں قنبر اپنی تلوار کی زبان سے اس شخص کو دندان شکن جواب دے گا۔

نادان دوست کہہ رہے تھے، علی چاہتا ہے کہ اس شخص کو سمجھائے کہ قنبر بھی تمہاری داڑھی کے بالوں کی تعداد جانتا ہے اس لئے میرے لئے اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ دانا دوست کہہ رہے تھے، اس شخص کا سوال اتنا اہم نہیں ہے کہ خود علی اس کا جواب دیں حالانکہ قنبر بھی اسے جانتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔

قنبر نے سوال کرنے والے سے کہا، اے مرد! اگر تو لوگوں کا بدخواہ نہیں ہے اور سچے ہو تو اس بات کی تصدیق کرو کہ اس سوال سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے تمہارا مقصد اپنے علم میں اضافہ نہیں ہے بلکہ تمہاری غفلت اور بدبختی نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے پیشوا سے عجیب وغریب سوالات پوچھو یا پھر چاہتے ہو کہ اپنے آپکو نازک مزاج اور زیرک ثابت کرو اور حیرت انگیز سوالات سے جاہلوں کی توجہ اپنی طرف دِلانا چاہتے ہو، یا شاید سمجھتے ہو گے کہ تم نے کوئی اہم اور مشکل مسئلہ دریافت کیا ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے لیکن یاد رکھو! علی کو وہ تمام باتیں معلوم ہیں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

میں تمہیں جواب دے سکتا ہوں لیکن اس سے قبل کہ تمہارے سوال کا جواب دوں، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہاری داڑھی کے ہر بال میں ایک شیطان چھپا بیٹھا ہے جو تمہارے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور تمہیں راہِ راست سے دُور کر رہا ہے۔ اے مرد! ہم ہر روز پانچ نمازوں میں کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں سیدھے نیکوں کے رستہ پر رہنمائی کرے اور ہمیں محروموں اور گمراہوں کے رستہ سے روکے، لیکن تمہارا سوال اس قسم کا نہیں ہے کہ گمراہی سے بچے رہو، جو شخص راہ راست کی تلاش میں رہتا ہے وہ نیکی اور بھلائی کے سوالات پوچھتا ہے اور ایسی دعا مانگتا ہے کہ جس کے جاننے یا حاصل کرنے میں اس کی اپنی یا دوسروں کی سعادت اور بھلائی ہو، یہ تو محض شیطان کا وسوسہ ہی ہوتا ہے جو انسان کو ایسی چیزوں کے پوچھنے اور جاننے پر آمادہ کرتا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

میں تمہارا جواب دے سکتا ہوں لیکن یاد رکھو! انسان کی عمر چھوٹی ہے، جو لوگ اپنا وقت، عمر اور سوچ بے ہودہ باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں تو انہیں مفید باتوں کے سیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسلئے ہر روز تہی دست رہتے ہیں اسوقت انکی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی وہ کمزور اور زیردست بن جاتے ہیں اور دشمن ان پر غلبہ پالیتا ہے پھر ایسے لوگ آجاتے ہیں جو ان پر حکومت کرتے ہیں۔

ہماری رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی آسمان کے ستاروں، فرشتوں اور پیغمبروں کی تعداد بیان نہیں کرتی اس لئے کہ کئی چیزوں کا شمار کرنا بے حاصل ہے جب تک کہ اس میں فائدہ نہ ہو جو شخص بیمار کی نبض کی گنتی کرتا ہے طبیب کہلاتا ہے ایسا شخص بیماری کا سبب دریافت کرتا ہے لیکن دین کے پیشوا انسانی روح کے طبیب ہوتے ہیں ہمارے پیغمبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی اس لئے تشریف لائے کہ لوگوں کی راہ راست پر رہنمائی کریں۔ اسلئے تشریف نہیں لائے کہ سالن میں پکی ہوئی دال کے دانوں کو شمار کیا جائے یا اپنی اور دوسروں کی داڑھی کے بال گنے جائیں۔

سوال کرنے والا ابھی تک نہایت بے صبر تھا، اس لئے کہنے لگا اے قنبر! تو نے وعظ اور نصیحت تو کر دیئے ہیں لیکن میرے سوال کا جواب نہ دیا؟

قنبر نے کہا، میں اس کام میں مشغول ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ موضوع زیر بحث زیادہ روشن ہو سکے، اس لئے مجھے بتاؤ کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟

سوال کرنے والے نے کہا، میرا پیشہ ترازو سازی ہے۔ میں کھجور کی لکڑی، اس کے ریشے اور پتوں سے ترازو بناتا ہوں اور فروخت کرتا ہوں لیکن میرے پیشے اور میرے سوال میں کون سا ربط ہے؟

قنبر نے کہا، اس میں ربط یہ ہے کہ اگر ایک ترازو ساز ایک سال خرچ کرے اور کوشش کرے کہ عمدہ اور بہتر ترازو بنائے تو یقیناً ایسے ترازو کی پائیداری اور فائدہ زیادہ ہوگا لیکن اگر وہ دو دن صرف کرے اور خود ہی اندازہ کرتا رہے کہ چند ماش اور چنا کے

دانے ہم وزن ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جاننے اور سمجھنے میں سعادت ہے لیکن مفید باتوں کو جاننا اور سمجھنا چاہیئے۔ ہاں! اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہاری داڑھی کے بالوں کی گنتی تمہارے لئے سودمند ہوسکتی ہے تو میں تجھے اس کا جواب بھی دے سکتا ہوں اور تمہیں مطمئن کرسکتا ہوں۔

سوال کرنے والا ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ کہنے لگا مجھے اس کا کوئی خاص فائدہ تو معلوم نہیں ہے لیکن میں نے ایک سوال پوچھا ہے جس کا جواب جاننا چاہتا ہوں۔

قنبر نے کہا، مجھے بھی اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا لیکن ایسے سوال سے دوسروں کا وقت ضائع کرنے اور بچوں کے افکار کو گمراہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن تم ابھی تک اپنے سوال کا جواب مانگنے پر اصرار کر رہے ہو۔ بہت بہتر! کیا تم گنتی اور حساب جانتے ہو اور ہزار سے لے کر دس ہزار تک گنتی کر سکتے ہو؟

اس نے کہا، ہاں جانتا ہوں۔

قنبر نے کہا، اے بھائی! جو لوگ عقلمند ہیں وہ کئی مفید کام کرتے ہیں اگر تجھے کسی کام کی فکر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مفید سوال پوچھنا چاہتے ہو تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے اس گنتی سے تمہارا کوئی ذاتی مسئلہ حل ہو جائیگا۔ بہر حال یہ کام نہایت آسان ہے۔ تمہاری داڑھی کافی لمبی ہے اسے قینچی سے کاٹ دو اور اپنے سامنے رکھ لو اور بیٹھ کر نہایت آرام سے گنتی کرلو کہ کتنے بال ہیں اگر اب بھی راضی نہیں ہو تو مجھے بتاؤ۔

مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ بہت خوش ہوئے۔ کئی چہروں پر مسکراہٹ چھاگئی اور گنگناہٹ شروع ہوگئی۔ دوست اور دشمن ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

دشمنوں نے کہا، ہم بھی اس موضوع سے غافل تھے۔ قنبر دُرست کہتا ہے۔

نادان دوست کہنے لگے، واقعی عجیب سوال اور عجیب جواب تھا۔

دانا دوستوں نے کہا، یہی وجہ تھی کہ علی نے اس کے جواب کیلئے اپنے غلام کو حکم دیا ہے۔

سوال پوچھنے والے نے شرمندگی سے کہا، اے قنبر! تو نے دُرست کہا ہے اور مجھے غفلت کے خواب سے بیدار کر دیا ہے اور راہِ راست پر لے آیا ہے۔ اب میں اپنی داڑھی کے بالوں کی گنتی معلوم نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے تو میں بھی خوش تھا کہ عجیب سوال پوچھ رہا ہوں لیکن اب سمجھ گیا ہوں کہ کوئی عجیب اور بے حاصل مسئلہ پوچھنا ہنرمندی نہیں ہے۔ میں شیطانی وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس امر سے زیادہ خوش ہوں کہ اگرچہ سوال بیہودہ تھا لیکن جواب دینے والا عقلمند تھا۔

لومڑی کی مکاری

ایک دن ایک لومڑی شیر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا اے جنگل کے بادشاہ! میری حالت بہت خراب ہے۔کئی دِنوں سے خوراک نہیں ملی لیکن تمہارے ہاں بھی گوشت نظر نہیں آ رہا۔

شیر نے کہا مجھے تیری جان کی قسم ہے! میں نے بھی ایک ہفتہ سے گوشت نہیں کھایا۔سبزہ اور میوہ جات مجھے موافق نہیں آتے۔ کافی تلاش اور جستجو کے بعد مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ سامنے والے صحرا میں تین جنگلی گائیں باہم زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن ان کے نزدیک جانا تو حضرت ہاتھی کا کام ہے۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ کیا کروں۔

لومڑی نے کہا، جنگلی گائیں؟ اللہ تعالیٰ کی پناہ! اگر کوئی مرغ پرندہ یا دیگر چیز ہوتی تو میں خود ہی کچھ نہ کچھ کر لیتی لیکن گائے کا شکار تمہارا کام ہے۔کیا تم گائے سے ڈرتے ہو؟

شیر نے کہا، کسی اکیلی گائے سے نہیں ڈرتا لیکن میں نے کہا ہے کہ یہ تو تین ہیں جن کے سینگ نہایت ڈراؤنے ہیں، جونہی کوئی شخص ان کی طرف بڑھتا ہے وہ مل کر اپنے مقابل کو سینگوں پر اُٹھا لیتی ہیں۔

لومڑی نے کہا، خوب! اگر میں وہاں جا کر ان میں بد اتفاقی پیدا کر دوں اور وہ الگ الگ رہنے لگیں تو شاید ہر ایک کو ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔

شیر نے کہا، بڑا نیک ارادہ ہے لیکن وہ تو تمہاری باتوں پر کوئی توجہ نہ دیں گی۔

لومڑی نے کہا، میرا کام انہیں دھوکہ دینا ہے، یہ تو مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔تم یہیں انتظار کرو تاکہ میں واپسی جواب لے آؤں۔اگر کچھ دیر ہو جائے تو بے صبری نہ کرنا، میں خالی ہاتھ نہ آؤں گی۔

لومڑی دوڑتی دوڑتی گایوں کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ تین گائیں خوب موٹی تازی ہیں، جن میں سے ایک سفید، دوسری سرخ اور تیسری کالے رنگ کی ہے۔

گایوں نے لومڑی سے کہا، عجیب بات ہے! تم اور اس طرف؟ شاید رستہ بھول گئی ہو؟

لومڑی نے کہا نہیں! میں جنگل سے بھاگ آئی ہوں۔وہاں میری زندگی خطرے میں تھی۔وہاں بھیڑیا ہے، چیتا ہے اور شیر ہے۔ کل میں نے سنا ہے کہ شیر کہہ رہا تھا مجھے اس صحرا سے گایوں کی بو آ رہی ہے اب میں اس لئے آئی ہوں کہ تمہیں اس خطرے سے آگاہ کر دوں، اگر اجازت ہو تو میں بھی تمہارے پاس ڈیرہ لگا دوں۔ مجھے اُمید ہے تمہاری اچھی دوست ثابت ہوں گی۔

گایوں نے کہا، نہایت خوشی سے۔ ہم اپنے کھانے پینے میں لگی رہتی ہیں، تم بھی یہاں رہ سکتی ہو، ہم نے آج تک کسی لومڑی سے کوئی برائی نہیں دیکھی۔

لومڑی ان کے ہاں رہنے لگی اور دِکھاوے کے طور پر اپنے آپ کو گھاس کھانے میں مصروف کردیا۔ رات کو جب سونے کا وقت آیا تو گایوں نے ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کرلی اور اپنا سر صحرا کی طرف اُٹھا کر ہر طرف دیکھنے لگیں تاکہ کسی خطرے سے آگاہ رہیں اور جگالی کرنے میں مشغول ہوگئیں۔

لومڑی بھی ان کے درمیان لیٹ گئی لیکن بھوک کے مارے بے چین تھی جب کچھ دیر گزر گئی تو لومڑی اُٹھ کر کالی گائے کے سامنے آئی اور کہنے لگی، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔

گائے نے پوچھا، تو کس چیز سے ڈر رہی ہے؟

لومڑی نے کہا، ہر چیز سے۔ شیر، ریچھ، چیتے، بھیڑیے اور شکاری سے۔ سیاہ گائے نے کہا، جب تک ہم موجود ہیں کسی سے نہ ڈرو۔

لومڑی نے کہا، عجیب چیز تو یہ ہے کہ رات تاریک ہے اور ہمیں کچھ دِکھائی نہیں دیتا لیکن دشمن تو دُور سے بھی ہمیں دیکھ سکتا ہے۔

کالی گائے نے کہا، دشمن ہمیں نہیں دیکھ سکتا بلکہ تاریکی میں تو صرف بلی ہی دیکھ سکتی ہے جو ہماری دشمن نہیں ہے۔

لومڑی نے کہا، کیوں نہیں! شیر کا تعلق بھی بلّی کے خاندان سے ہے بلکہ اس نے خود کہا ہے کہ اسے تاریک رات میں صرف سفید جانور دکھائی دیتا ہے میرے خیال میں اس کا اشارہ تمہاری ساتھی سفید گائے کی طرف ہوگا۔ سفید رنگ بھی کتنا بدصورت ہوتا ہے جو تاریکی میں صاف نظر آتا ہے بلکہ دشمن اپنے ٹھکانے کا پتا چلا لیتا ہے۔ اگر یہ سفید گائے نہ ہوتی تو ہم آسودگی سے سوسکتے۔ یہ سکون اور خوشی بھی کتنی عمدہ چیز ہوتی ہے۔ کالی گائے نے قدرے پریشانی سے کہا، پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

لومڑی سمجھ گئی کہ کالی گائے دھوکہ کھانے کیلئے تیار ہے، اسلئے اپنی جگہ سے اُٹھی اور سرخ گائے کے پاس آکر وہی الفاظ دُہرائے۔

سرخ گائے نے پوچھا، اس معاملہ میں کالی گائے کا کیا خیال ہے؟

لومڑی نے کہا، کالی گائے کہتی ہے کہ اگر تم ساتھ دو تو سفید گائے کے شر سے نجات حاصل کریں اور آسودہ ہوں۔ سرخ گائے نے پوچھا، ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ لومڑی نے کہا، کالی گائے ہمارے ساتھ ہے۔ اگر تم بھی موافقت کرو تو سارا معاملہ دُرست ہوجائے گا۔

سرخ گائے نے کہا، مجھے کالی گائے سے اتفاق ہے کیونکہ ذِہنی سکون بہت عمدہ چیز ہوتی ہے۔ لومڑی کالی گائے کے پاس لوٹ گئی اور کہا سرخ گائے کہتی ہے کہ تین جانوں کی نجات کیلئے ضروری ہے کہ ایک جان کی قربانی دیں تو وہ شروع ہی سے سفید گائے کی مخالف تھی اب تمہارا کیا خیال ہے؟

کالی گائے نے کہا، ہم سفید گائے سے کس طرح چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں؟ لومڑی نے کہا، یہ کام مجھ پر چھوڑ دو، صرف تم دونوں خاموش رہنا باقی معاملہ میں خود سنبھال لوں گی۔ سر دست تمہیں یہ تاکید کرتی ہوں کہ آدھ گھنٹہ خاموشی اختیار کر لینا اگر تم سے کچھ پوچھا جائے تو پھر بھی جواب نہ دینا۔ میں اسے ایسی جگہ بھیج دوں گی جہاں عرب بھی اپنی بانسری بھلا دیتے ہیں۔

لومڑی نے کالی اور سرخ گائے سے قول و قرار کر لیا تو سفید گائے کے پاس آئی اور کہا، میری دوست! میں تو بھوک سے مر رہی ہوں لیکن کالی اور سرخ گائے کہتی ہیں کہ تماری بھوک کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ تو عجیب مخلوق معلوم ہوتی ہیں لیکن تم ان دونوں سے مہربان اور بہتر ہو، نیز تمہیں معلوم ہے کہ میں گھاس نہیں کھاتی۔

سفید گائے نے کہا، مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے ایسی بے رُخی سے کام لیا ہے لیکن مجھے بتاؤ، میں ہر کام کیلئے تیار ہوں۔

لومڑی نے کہا، یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک کوٹھڑی ہے جس کی چھت پر ایک مریل سا مرغ رہتا ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میری پسندیدہ خوراک مرغ ہی ہے لیکن میں دیوار کے ذریعے چھت پر نہیں چڑھ سکتی۔ تُو جو کہ میری مہربان ہے میرے ہمراہ آؤ تا کہ تیری پیٹھ پر سوار ہو کر چھت پر چڑھ سکوں اور مرغ پکڑ لوں۔

سفید گائے نے کہا، میں اپنے دوستوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی لیکن بہتر ہو گا کہ ان سے دریافت کر لوں۔

لومڑی نے کہا، تمہارے دوست اس وقت سوئے ہوئے ہیں یہ تُو ہی ہے کہ اس وقت تک جاگ رہی ہے اور نگہبانی کر رہی ہے۔ اب رات اور کوئی شکاری یا دشمن موجود نہیں ہے۔ اب جلدی کرو تا کہ ان کے جاگنے تک واپس آ جائیں۔

سفید گائے نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی تا کہ ان سے اجازت لے اور کہنے لگی، میرے دوستو! میرے دوستو! لیکن اس کے دوستوں نے تو لومڑی سے خاموش رہنے کا عہد کر رکھا ہے اس لئے کوئی جواب نہ دیا۔

لومڑی نے کہا، کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تمہاری دوست میں ہوں جو دن کو سوتی ہوں اور رات کو چوکیداری کرتی ہوں اس لئے پوری رات بھی جاگ سکتی ہوں۔ اگر تو میرے ہمراہ آ سکتی ہے تو آ جاؤ۔ میں اپنی خوراک حاصل کر لوں گی اور جلد لوٹ آئیں گے۔ اسکے بعد میں صبح تک چوکیداری کروں گی اور تم آرام سے سو جانا۔ ہاں! اگر کوئی حادثہ پیش آیا تو سب کو جگا لیں گے۔

سفید گائے نے کہا، بہت بہتر! اب جبکہ ہمارے ساتھی سوئے ہیں تو چلے چلتے ہیں۔ دونوں چل پڑے اور مقرر کردہ جگہ یعنی کوٹھڑی کے قریب پہنچ گئے۔

لومڑی نے کہا، میں پلک جھپکنے کی دیر میں مرغ پکڑتی ہوں۔ وہ اپنی جگہ سے اُچھلی اور گائے کی پیٹھ پر سوار ہوگئی اور اپنا سر کوٹھڑی کے قریب لے جا کر شیر سے کہا، میں ایک گائے لے کر آئی ہوں۔ جلدی کرو۔

شیر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور گائے کو سانس لینے کی مہلت بھی نہ دی۔ اسے چیر پھاڑ کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ اسی طرح لومڑی نے بھی اپنا پیٹ بھرلیا اور ہڈیاں زمین میں دبادیں۔

لومڑی نے شیر سے کہا، ہمارا پرسوں کا وعدہ اسی جگہ غروب آفتاب کے وقت ہوگا۔ لومڑی لوٹ گئی اور کچھ دیر اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد سرخ اور سیاہ گائے سے کہنے لگی، میں نے سفید گائے کو کالے چنے کھانے کیلئے بھیج دیا ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کا بوجھ ہمارے سر سے اُتر گیا ہے۔ اب اس کے سفید رنگ کی بدولت دشمن ہمارا سراغ نہیں لگا سکے گا اب میں صبح تک پہرہ دیتی رہوں گی اس لئے تم آرام سے سوجاؤ اگر خدانخواستہ کوئی بری خبر ہوئی تو تمہیں جگادوں گی۔

جب رات گزر گئی تو دوسرے دن صبح گائیں ایک دوسرے سے کہنے لگیں سفید گائے پر افسوس ہے۔ اب اگر دشمن نے حملہ کردیا تو ہم اپنا دفاع نہ کرسکیں گے۔

لومڑی نے کہا، گذشتہ پر افسوس نہیں کرنا چاہئے۔ رات کو دشمن ہمیں نہیں دیکھ سکتا، دن کو ہم دور سے دشمن کو دیکھ لیں گے اور بھاگ جائیں گے۔ بہرحال جو اتفاق بھی ہوگا اس کا علاج میرے پاس موجود ہے۔ وہ دن بھی خوشی سے گزر گیا اور رات بھی گزر گئی۔ دوسرے دن جب لومڑی نے سرخ گائے کو اکیلے میں پایا تو اس سے کہنے لگی، اب ہمیں رات کا سکون تو مل گیا ہے لیکن دن کو چاروں طرف سے خطرہ موجود رہتا ہے۔

سرخ گائے نے کہا، وہ کس طرح؟

لومڑی نے کہا، دیکھو! میرا اور تمہارا رنگ مٹی اور گھاس کے مانند ہے اگر کوئی شکاری پہاڑ کی چوٹی سے بھی صحرا کو دیکھے تو ہمیں نہیں دیکھ سکتا لیکن یہ کالی گائے تو چند میلوں سے نظر آجاتی ہے کالا رنگ تو بجلی کی طرح چمکتا ہے اس لئے ہم اپنے آپ کو دشمن سے نہیں چھپاسکتے۔ اگر اس کا رنگ سیاہ نہ ہوتا تو دن کو بھی آسودہ رہتے۔ واقعی سیاہ رنگ نہایت بدصورت اور ماتمی رنگ ہے۔ سب سے بہتر رنگ سرخ، زرد اور مٹیالا ہے، جو میرا اور تمہارا رنگ ہے۔

سرخ گائے نے کہا، پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ آخر کالی گائے بھی ہماری ساتھی ہے۔ ہم اسے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہاں سے چلی جائے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔

لومڑی نے کہا، اگر تم میری موافقت کرو اور خاموش رہو تو ہم اس سے اپنا دامن چھڑا کر نہایت آرام سے رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد جب ہماری عمر ہوگی یہ سبز صحرا ہمارا مال ہے اور بخت ہمارا بخت ہے۔ ہاں! اس کا چارہ یہ ہوگا کہ اسے کسی غیر مانوس جگہ پر لے جا کر چھوڑ دیں گے اور واپس آجائیں گے اگر تم اس سے کچھ کہنے میں شرم محسوس کرو تو اس کی ترکیب میں بتاتی ہوں۔ تم نے جو کام کرنا ہے یہ ہوگا کہ تم سے جو کچھ پوچھے، یہی کہہ دینا کہ میری طبیعت ناساز ہے اس کے علاوہ کچھ نہ کہنا، سرخ گائے نے کہا، ہاں! دُرست ہے۔ لومڑی سیاہ گائے کے پاس آئی اور کہنے لگی، یہ سرخ گائے تو بڑی بے وقوف ہے!

سیاہ گائے نے پوچھا، کس طرح؟

لومڑی نے کہا، میں نے اس سے ایک چھوٹی سی خواہش کی لیکن اس نے منہ موڑ لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ یہ تو تم ہی ہو کہ عقلمند اور معاملہ فہم ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں گھاس نہیں کھاتی اس لئے سرخ گائے سے کہا کہ ایک مرغ کوٹھڑی کی چھت پر پڑا ہے جو مرنے کے قریب ہے اس لئے میری مدد کرو تا کہ مرغ کے مرنے اور اس کے حرام ہونے سے پہلے پہلے اسے اُٹھا لوں لیکن وہ کہنے لگی اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اس لئے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں یہی وجہ ہے کہ میں شام سے صبح تک چوکیداری کرتی ہوں اب جبکہ تو ہماری سردار ہے اور سب سے مہربان ہے تو سرخ گائے سے کہو کہ میرے ہمراہ آنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سیاہ گائے نے جب لومڑی کو اپنی تعریف کرتے ہوئے دیکھا تو مغرور ہوگئی، اس لئے آگے بڑھی اور سرخ گائے سے کہا، میری پیاری دوست! یہ لومڑی ہماری مہربان اور ساتھی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس سے بہتر سلوک کریں۔

سرخ گائے نے کہا، میری طبیعت ناساز ہے اور قدرے بیمار ہوں۔ لومڑی نے سیاہ گائے سے کہا، اب تُو نے دیکھ لیا ہے۔ کاش! میں نے شروع ہی میں یہ خواہش تم سے کی ہوتی اور اتنی پریشان نہ ہوتی۔

سیاہ گائے نے کہا، اب بھی کچھ نہیں ہوا لیکن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تم جہاں جانا چاہتی ہو، وہ جگہ کہاں ہے؟

لومڑی نے جنگل کی طرف اشارہ کیا اور کہا، مرغ سامنے کوٹھڑی کی چھت پر ہے۔

کالی گائے نے کہا، فکر نہ کرو، میں تمہارے ہمراہ چلتی ہوں، میں تمہاری مدد کروں گی۔ جب وہ دونوں کوٹھڑی کے قریب پہنچ گئی تو لومڑی گائے کی گردن پر سوار ہوگئی اور کوٹھڑی کے قریب سر بڑھا کر شیر کو خبردار کیا کہ کالی گائے بھی سفید گائے کی تقدیر کے پاس پہنچ گئی ہے۔ جب شیر اور لومڑی نے کالی گائے کو کھا لیا اور سیر ہوگئے تو باقی ماندہ ہڈیاں زمین میں دفن کر دیں اس کے بعد لومڑی نے شیر سے کہا، ہمارا وعدہ پرسوں ظہر کے وقت اسی جگہ ہوگا۔

لومڑی نے لوٹ کو سرخ گائے سے کہا، تمام معاملات دُرست ہو گئے ہیں، اب ہم خوشی سے رہ سکتے ہیں۔ اب نہ تو سیاہی ہے اور نہ ہی سفیدی۔ اس لئے رات دن آرام سے رہیں گے۔

رات کو سرخ گائے آرام سے سو گئی جب صبح ہوئی تو دونوں اکٹھے مل کر گھومتی پھرتی رہیں اور دوسری رات بھی آرام سے گزار لی۔ دوسرے دن گائے اپنے ساتھیوں کی یاد میں کھو گئی اور کہا، افسوس ہے کہ ہم میں بد اتفاقی پیدا ہوئی اب اگر دشمن نے حملہ کر دیا تو میں اکیلی اپنا دفاع نہ کر سکوں گی۔

لومڑی نے کہا، اب ناشکری نہ کرو۔ میں نے تجھے سفید اور سیاہی کے شر سے آسودہ کر دیا ہے۔ اب ہمیں کوئی دشمن نہیں دیکھ سکتا۔ اب میری مدد کرو تاکہ کوٹھڑی کی طرف جائیں اس لئے کہ میں نے اپنے لئے کچھ خوراک چھپا رکھی ہے۔ سرخ گائے تو لومڑی کی باتوں اور اس کے کام سے شک میں پڑ گئی۔ اس لئے کہنے لگی، میں کوٹھڑی کی طرف نہیں آؤں گی۔ اب مجھے تمہاری باتوں پر اعتماد نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہاں چیتا یا شیر ہو گا جو مجھے کھا جائے گا۔

لومڑی نے کہا، بہت بہتر! تو نے درست سمجھا ہے لیکن دیر سے سمجھا ہے اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کوٹھڑی میں واقعی شیر سویا ہے اگر تو نہیں آئے گی تو وہ خود ہی آ جائے گا۔ جب وہ یہاں نہ آتا تھا تو اس کی کچھ اور وجوہات تھیں شیر تمہیں آج نہیں کھائے گا اس نے چار دن پہلے سفید گائے کھائی اور پرسوں ہی کالی گائے کھائی ہے۔ اب جبکہ تمہیں حقیقت معلوم ہو گئی ہے اور مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں بھی جا رہی ہوں۔ خدا حافظ!

لومڑی چل پڑی اور شیر کو اِطلاع دی کہ اب گائے اکیلی رہ گئی ہے۔ دوسری طرف گائے بھی اپنی زندگی سے محروم تھی اس لئے روتی دھوتی اور چلاتی ہوئی بھاگ نکلی اور لومڑی کو گالیاں دینے لگی۔

گائے دوڑ رہی تھی اور شیر بھی اس کا تعاقب کر رہا تھا اور جونہی اسکے قریب پہنچا تو اسے دبوچ کر گرا لیا اور لومڑی کیساتھ مل کر کھا لیا جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو ان کی نگاہیں ٹیلے پر پڑیں جہاں سے ایک شکاری آ رہا تھا شکاری نے گائے کی آوازیں سنی تھیں اس لئے ٹیلے سے اُتر رہا تھا۔

شیر نے کہا آؤ تا کہ اس شکاری کا کام بھی تمام کر دیں لومڑی نے کہا، نہیں! نہیں! ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہ جانور بھی اکیلے نہیں آتا البتہ میرا کام ہے کہ تحقیق کروں اگر ممکن ہو تو اسے کوٹھری تک لے آؤں گی۔ ہمارا وعدہ کل ظہر کے وقت اسی کوٹھڑی کے قریب ہو گا۔

شیر تو پہلے ہی لومڑی کی چالاکی سے آگاہ تھا، اسلئے کہنے لگا، بی لومڑی تو درست کہہ رہی ہے۔ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ اب تو کون سا کارنامہ انجام دیتی ہے۔ شیر چل پڑا اور لومڑی بھی دوڑتے ہوئے ٹیلے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے دیکھا کہ شکاری اکیلا ہے۔ وہ آگے بڑھی اور شکاری سے کہا، کیا تو نے شیر کو دیکھا ہے؟

شکاری نے کہا، ہاں! میں نے اسے دیکھا ہے۔ قریب تھا کہ ایک ہی تیر سے اس کا کام تمام کر دیتا لیکن شیر قدرے دُور تھا۔ اب کتنا اچھا ہوا ہے کہ تو خود اپنے پاؤں سے چلکر میرے تیر کی زد میں آ گئی ہو۔

لومڑی نے کہا، ہائے افسوس! میں نے دوسری تمام باتیں تو سوچی تھیں لیکن تیر اور کمان کے متعلق کچھ نہ سوچا تھا۔ شکاری نے کہا، ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، جو لوگ جال میں پھنستے ہیں وہ چارے اور دانے سے دھوکہ کھاتے ہیں، کوئی کنواں نہیں دیکھتا، کوئی جال اور کوٹھڑی نہیں دیکھتا اور کسی کو تیر کمان نہیں دکھائی دیتے اور کوئی ناتجربہ کار ہوتا ہے۔

لومڑی نے کہا، ہاں! اگر چاہو تو تم سے ایک سودا بازی ہو سکتی ہے۔ کیا تمہارے خیال میں ایک لومڑی کی کھال قیمتی ہے یا زندہ شیر کی قیمت؟ اگر تم مجھے ہلاک نہ کرو تو میں کل ظہر کے وقت ایک زندہ شیر تمہارے پاس لا سکتی ہوں جبکہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی رسیوں سے بندھے ہوں گے۔

شکاری نے کہا، شاید تم خیال کرتی ہو کہ تمہارا واسطہ کسی گائے سے پڑا ہے حالانکہ میں نقد کے بجائے اُدھار پر یقین نہیں رکھتا۔ ہاں! اگر چاہتی ہو کہ زندہ رہو تو اس تھیلے میں داخل ہو جاؤ وگرنہ تمہارے بھاگنے کی صورت میں میری کمان ہو گی اور تیر ہو گا۔

لومڑی نے کہا، زندہ رہنا بہتر ہے۔ لومڑی تھیلے میں داخل ہو گئی اور شکاری نے اس کا منہ باندھ دیا اور کہا، بی لومڑی! اب مجھے بتاؤ کہ زندہ شیر کو کس طرح گرفتار کر سکتی ہو؟

لومڑی نے کہا، اگر تم وعدہ کرو کہ میری کھال سے تمہیں کوئی واسطہ نہ ہوگا اور مجھے آزاد کردو گے تو بتا سکتی ہوں۔

شکاری نے کہا، میں وعدہ کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں۔ لومڑی نے پہلے تو گایوں کو دھوکہ دینے اور انہیں شیر کے ہمراہ مل کر کھانے کا واقعہ بتایا، اسکے بعد کہا چونکہ اب ہم نے طے کیا ہے کہ کل ظہر کے وقت شیر اسی کوٹھڑی میں موجود ہوگا اس لئے شیر کے آنے سے پہلے وہاں جا کر پھندا لگا دو تب اسے آسانی سے پکڑ سکتے ہو۔

شکاری نے کہا کل ظہر کا وقت زیادہ دُور نہیں ہے۔ اس کا امتحان بھی کر لیتا ہوں اگر تو سچ کہہ رہی ہے تو میں بھی اپنے وعدہ پر عمل کروں گا۔ شکاری نے کوٹھڑی میں صبح سویرے پھندا لگا دیا اور ظہر کے وقت شیر کو بھی زندہ پکڑ کر رسیوں میں باندھ دیا اور لومڑی اور شیر کو فروخت کرنے کیلئے شہر لے آیا۔ لومڑی نے کہا، تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔ کیا تم نے قسم نہیں کھائی تھی کہ اگر شیر کو پکڑ لیا تو میری کھال کی لالچ نہ کرو گے اور مجھے آزاد کردو گے۔

شکاری نے کہا، وعدہ خلافی تو تم نے کی ہے کہ گایوں کو بھی گرفتار کرایا ہے اور شیر کو بھی! لیکن میں تو اپنے وعدہ اور قسم پر عمل کرنا چاہتا ہوں مجھے تمہاری کھال کی کوئی طمع نہیں ہے بلکہ چڑیا گھر کے بڑے پنجرے میں چھوڑ دونگا تاکہ آزادی سے اپنی زندگی کے باقی دِن گزارو اور وہیں کھیلتی رہو۔

بُروں کا ساتھی

ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے قافلے کا راستہ روک کران کا سامان لوٹ لیا تھا، جب یہ خبر شہر پہنچی تو حاکم نے حکم دیا کہ ایک بڑا لشکر ان کے تعاقب میں روانہ کیا جائے۔ اس لشکر نے جائے وقوعہ کو کئی میلوں تک گھیر لیا، آہستہ آہستہ محاصرے کا گھیرا تنگ کردیا اور ہر آنے جانے والے پر کڑی نظر رکھنے لگے۔ آخرکار ایک دور افتادہ درے سے چوروں کو پکڑ لیا اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر حاکم کے پاس لے آئے۔

حاکم نے قاضی سے کہا، مقدمہ دائر کرواور کھلی عدالت میں چوروں کا فیصلہ کرو، اگر ان میں کوئی بے گناہ ہوتو اسے معاف کردواور گنہگاروں کو سخت سزادو، اس کے بعد ان کی سزا کا ہر طرف اعلان کروتا کہ لوگوں کو عبرت ہواور امن وامان قائم ہو۔

قاضی نے ڈاکوؤں کے بیانات قلم بند کئے لیکن وہ تو اپنے آپکو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے تھےاور بہانے بنا رہے تھے انہوں نے جو مال لوٹا تھا آپس میں تقسیم کرلیا تھا۔ حالانکہ ہر ایک کے پاس مسروقہ مال موجود تھا اس لئے ان کی بے گناہی کا کوئی معقول بہانہ نہ تھا اس لئے اقرار جرم پر مجبور ہوگئے اور کہا کہ ان کا پیشہ راہزنی ہے لیکن ان کا ایک ساتھی اپنے آپ کو بے گناہ تصور کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ان کا ساتھی نہیں ہوں اور نہ ہی میرا پیشہ راہزنی ہے بلکہ میں تو شاعر ہوں۔ مصور اور ہنر مند ہوں میں اپنی بدبختی کی بدولت ان کا ہم سفر ضرور بنا ہوں لیکن ڈاکو نہیں ہوں بلکہ اہل علم و دانش ہوں اس لئے بہتر ہوگا کہ میرے معاملہ میں خصوصی توجہ دی جائے چنانچہ اس نے حاکم کو ایک خط لکھا جس میں فصاحت و بلاغت، شعر و حکایت اور حدیث و روایت کا ذکر کرتے ہوئے شکایت کی کہ قاضی میرے معاملہ میں خصوصی توجہ نہیں دے رہا، نہ ہی میری باتیں تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی انصاف کرتا ہے میں ڈاکو نہیں ہوں بلکہ اہل دانش و ہنر ہوں اسلئے میرے مقدمہ کی سماعت الگ کی جائے حاکم بیحد متاثر ہوا اور جوان کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا تو نے بہت عمدہ خط لکھا ہے جو تمہاری سمجھ اور فراست کی دلیل ہے۔ ہاں! اب کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس نے کہا، میں چور نہیں ہوں اور اپنے آپ کو سزا کا مستحق نہیں سمجھتا۔

حاکم نے پوچھا، پھر تو چوروں کا ساتھی کیسے بنا ہے؟

اس نے کہا، میں انہیں نہیں پہچانتا تھا اور نہ ہی مجھے معلوم تھا کہ یہ چوروں کا گروہ ہے بلکہ میں تو ان کی خدمت کرتا تھا اور مزدوری کرتا تھا، حساب کتاب لکھتا تھا، کتابیں پڑھ کر انہیں سناتا تھا اور وعظ و نصیحت کرتا تھا۔

حاکم نے کہا، اب قاضی کیا کہتا ہے؟

اس نے کہا، وہ مجھے بھی راہزنوں کا ساتھی سمجھتا ہے۔

میری درخواست پر کوئی توجہ نہیں دیتا اور نہ ہی میرا عذر قبول کرتا ہے۔ حاکم نے حکم دیا کہ اس جوان کے مقدمہ کی سماعت میرے سامنے کی جائے۔ قاضی نے حاکم کے سامنے نئے سرے سے اس جوان کا بیان قلمبند کیا اور جوان سے پوچھا، کیا تمھیں معلوم تھا کہ یہ ڈاکوؤں کا گروہ تھا؟ جوان نے کہا، مجھے کچھ علم نہ تھا لیکن جب انہوں نے قافلہ پر حملہ کیا تو مجھے اس وقت معلوم ہوا اور دل ہی دل میں ان کی ہمراہی سے پشیمان ہو گیا۔

قاضی نے کہا، بہت بہتر! میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی صحبت میں تم بھی ان کے ساتھی تھے لیکن تم نے چوروں کا لباس پہن کر بھی شرمندگی محسوس نہیں کی؟

جوان نے کہا، میں اس لباس سے خوش نہ تھا بلکہ شرمندہ تھا لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

قاضی نے کہا، خوب! یہ راہزن کب سے اس پیشہ میں مصروف ہیں؟

جوان نے کہا، دو ماہ سے۔

قاضی نے کہا، انہوں نے قافلہ پر کس جگہ ڈاکہ ڈالا؟

جوان نے کہا، فلاں آبادی اور شہر کے درمیان جہاں گھنی جھاڑیاں ہیں۔

قاضی نے کہا، کیا تم کاغذ پر اس جگہ کا نقشہ بنا سکتے ہو، تاکہ ہمیں اس جگہ پہنچنے میں مدد ملے۔

جوان نے کہا، کیوں نہیں؟ میں ان رستوں کو ہاتھ کی تھیلی کی طرح جانتا ہوں اور بنانے میں میری طرح کوئی استاد نہیں ہے۔

قاضی نے کہا، آفرین! کیا تم ایسے شعار لکھ سکتے ہو، جس میں راہزنوں کی ہمراہی سے اپنی پشیمانی کا اظہار کرو۔

جوان نے کہا، کیوں نہیں! ایسے کلمات میرے دل و دماغ میں موجود ہیں بلکہ ایک ہی شعر میں غلغلہ برپا کر سکتا ہوں۔

قاضی نے کہا، بارک اللہ! کیا تم راہزنوں کا قافلہ پر حملہ کرنے، مسافروں کی وحشت اور ان کی گفت وشنید کی داستان لکھ سکتے ہو؟

جوان نے کہا، کیوں نہیں؟ قافلے کے لوگوں کا ڈر اور خوف، ان کی رحم اور معافی کی درخواستیں اور راہزنوں کی بے رحمی بڑی دردناک داستان ہے اور مجھے اس کے لکھنے میں کوئی انکار نہیں۔

قاضی نے کہا، تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے! لیکن یہ چور کس طرح زندگی بسر کرتے تھے کہ کوئی شخص انہیں نہیں پہچان سکتا کہ یہ چور ہیں کیا اس عرصہ میں اہل قافلہ کے علاوہ کئی چرواہے، جنگل کے رکھوالے، کسان، غیر مانوس مسافر اور اِردگرد کے رہنے والے کسی شخص نے ان کا ٹھکانہ نہ دیکھا تھا؟

جوان نے کہا، کیوں نہیں! لیکن ڈاکوؤں کا ایسے لوگوں سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ راہزنوں کا گروہ تو ان سے بیحد عمدہ سلوک کرتا تھا۔

قاضی نے کہا، اس ترتیب سے جبکہ تم نے ڈاکوؤں کو پہچان لیا تھا اور دل میں شرمندہ اور پشیمان بھی تھے لیکن پھر بھی دو ماہ کے عرصہ میں ان لوگوں کو ان کا اتا پتا نہ بتایا حالانکہ تم قریبی آبادی میں کھلم کھلا جا سکتے تھے اور قیدی بھی نہ تھے جبکہ تم راہزنوں کے ٹھکانے کا نقشہ بنا کر انکی داستان بھی لکھ کر اس رستہ سے گزرنے والے مسافروں کو دے سکتے تھے؟ تم ان سے الگ کیوں نہیں ہوئے اور کس لئے اس گروہ سے نہ بھاگے؟

جوان نے کہا، میں یہی سوچتا رہا لیکن قسمت نے میری مدد نہ کی۔

قاضی نے پوچھا، کیا تو نے اس عرصہ میں کوئی شعر نہیں لکھا؟

جوان نے کہا، ہاں! لکھا تھا۔

قاضی نے کہا، سناؤ۔

جوان نے جو غزل لکھی تھی سنا دی۔

قاضی نے حاکم سے کہا، جناب حاکم! یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ یہ جوان بھی دوسرے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح ہے بلکہ اس کا گناہ دوسروں سے زیادہ ہے اس لئے کہ پڑھا لکھا اور سمجھدار ہونے کے باوجود ان کے کام میں شریک تھا۔ اس کے اشعار بھی بیداری اور بے خیالی کی عکاسی کرتی ہیں۔ اسکے اشعار محض داستان نہیں ہیں اسلئے یہ شخص ڈاکوؤں کی صحبت سے پشیمان نہیں ہے اگر یہ خود ڈاکو نہ ہوتا تو ان کا ساتھی نہ ہوتا اگر پشیمان ہوتا تو گرفتاری سے پہلے غزل کے بجائے شکایت اور خط لکھتا اس لئے کہ درخت کو اس کے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور بیکار انسان کو اس کے کام سے۔

جو شخص بدکاروں کے ہمراہ بیٹھتا ہے تو لازمی طور پر ان کا ساتھ اور یار و مددگار ہوتا ہے۔ اگر یہ اپنے کام سے خوش نہ تھا تو کسی چرواہے، کسان یا آنے جانے والے کے ذریعے سے ان کا راز فاش کر سکتا تھا۔ بہر حال ان کی ہم نشینی اس جوان کے ملزم بلکہ مجرم ہونے کی دلیل ہے۔

جوان نے کہا، لیکن میں نے تو کسی کے جسم سے کپڑے نہیں اُتارے۔

قاضی نے کہا، ہاں ہاں! شاید تو نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ لیکن چوروں کا لباس پہننے سے پرہیز نہیں کیا۔

جوان نے کہا، میں ان کے کام میں شریک نہ تھا۔

قاضی نے کہا، تم جھوٹ بولتے ہو۔

جوان نے کہا، میں توبہ کرتا ہوں۔

قاضی نے کہا، اب اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔توبہ تو گرفتاری اور رُسوائی سے پہلے کرنی تھی۔گرفتاری کے بعد تو سب لوگ توبہ کرتے ہیں۔

جوان نے کہا، جناب قاضی! کیا مجھ سے کوئی لالچ ہے؟اور یہی چاہتے ہو کہ سزا کا سامنا کروں۔

قاضی نے کہا، مجھے تم سے وہی لالچ ہے جو دوسرے راہزنوں سے ہے۔

حاکم نے کہا، معلوم ہوتا ہے یہ بھی راہزن ہے یہ بھی راہزن ہے لیکن دوسروں سے زیادہ ہوشیار اور زبان دراز بھی ہے لیکن ایسی ہوشیاری بھی کس کام کی ہے جو انسان کو غلط رستہ پر رہنمائی کرے۔اگر یہ راہِ راست اختیار کرتا تو بزرگی اور بزرگواری کے رُتبہ پر پہنچتا۔

قاضی نے اس کی سزا کو برقرار رکھا جو دوسرے راہزنوں سے زیادہ تھی۔

تقدیر

کسی زمانہ کا ذکر ہے کہ سمندر کے سفر میں کشتی نے ساحل سے حرکت کر لی تھی کشتی کے مسافروں میں چند تاجر تھے جو تجارت کی غرض سے جا رہے تھے اور چند سیاح بھی سیاحت کی غرض سے گھر سے نکلے ہوئے تھے، کشتی جونہی ساحل سے دُور ہوئی تو مسافر عرشہ پر جا پہنچے اور سمندر کا نظارہ کرنے لگے۔

جب چند افراد ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور گفتگو کیلئے جونہی کوئی شخص بات شروع کرتا ہے تو ہر شخص چاہتا ہے کہ میں بھی یہاں موجود ہوں، اس لئے اپنی سمجھ اور عادت کے مطابق اپنے سلیقہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

اسی دوران مسافروں کی نگاہ ایک چھوٹی کشتی پر پڑی، جس میں دو افراد سوار تھے اور ان کے تعاقب میں آ رہی تھی۔

ایک مسافر نے کشتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، یہ تو بہت برا ہے کہ چھوٹی سی کشتی میں سوار ہیں اگر سمندر میں طوفان آ جائے تو ان کی زندگی بھی خطرے میں ہو گی۔ اس مسافر کی باتوں سے ہر شخص کیلئے ایک نیا موضوع سامنے آ گیا تھا جس میں ہر شخص کی الگ الگ رائے تھی۔ ایک نے کہا سب تقدیر کا معاملہ ہے انسان کیلئے ضروری ہے کہ مستقل مزاج ہو۔ دوسرے نے کہا، انسان کی تقدیر تو اسکی عقل، علم اور تربیت کا نتیجہ ہے۔ تیسرے نے کہا، نہیں بابا! تقدیر کا معاملہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، ہمیں کیسے معلوم ہے کہ ہماری کشتی سلامتی سے منزل پر پہنچ جائے گی اور چھوٹی کشتی نہ پہنچے گی۔ دوسروں نے بھی اپنی اپنی کہی اور گفتگو کا سلسلہ بڑھتا گیا، اتنے میں ایک اور شخص نے کہا، عجیب باتیں کرتے ہو، دُرست ہے کہ انسان سب باتیں نہیں جانتا لیکن ہر شخص کیلئے ضروری ہے کہ ہر ممکن انداز سے اپنے کام کا نتیجہ سوچ لے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو ناکامی اس کے تعاقب میں رہے گی۔ اگر سچ پوچھتے ہو تو ہم بھی اس سفر میں اپنی جان پر کھیل رہے ہیں عقلمند لوگ کشتی کے چند جڑے ہوئے تختوں پر نہیں بیٹھتے اور سمندر کی خوفناک موجوں میں سفر نہیں کرتے۔

ایک اور مسافر کہنے لگا، ہر شخص کا کوئی نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ ایک تاجر ہے جو خرید و فروخت کیلئے سفر کرتا ہے۔ کوئی تحقیق، تلاش اور عالموں، فاضلوں کی ملاقات کیلئے جاتا ہے۔ اگر سب لوگ سمندر سے ڈر کر گھر بیٹھ جائیں تو دُنیا کا کام رُک جائیگا۔ البتہ ہر کام کیلئے بہتر رستہ اختیار کرنا چاہئے۔ ہاں! جب سفر درپیش ہو تو بہترین کشتی تلاش کرنی چاہئے جیسا کہ ہم نے کیا ہے علاوہ ازیں کشتی سے بھی بہتر کام یہ ہے کہ مسافر تیرنا جانتے ہوں۔

ایک اور مسافر کہنے لگا، خدا تمہارے باپ کی بخشش کرے اگر سمندر میں طغیانی ہو اور کشتی ٹوٹ کر غرق ہو جائے تو ایسی موجوں میں تیرنا کس کام آئے گا؟

ایک اور کہنے لگا، نہیں! نہیں! یہ باتیں تو نا تجربہ کاری کی دلیل ہیں۔ ہر چیز کا جاننا نہ جاننے سے بہتر ہے۔ جو شخص تیرنا نہیں جانتا وہ چھوٹے سے دریا میں نہاتے وقت بھی ڈوب جاتا ہے لیکن جو تیر سکتا ہے اس کیلئے ممکن ہے کہ بڑے دریا یا سمندر سے اپنی جان بچا سکتا ہے۔

ایک اور نے کہا، میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کشتی میں سوار لوگ سمندر کے ساحل کے قریب قریب رہیں تو بہتر ہوگا۔

دوسرے نے کہا، میں نے بھی یہی کہا تھا کہ ساحل کی نزدیکی یا دُور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر انسان کی عمر باقی ہو تو دریا کی موجوں اور جلتے ہوئے کھیلان سے بھی بچ سکتا ہے ورنہ موت تو گھر میں بستر پر بھی آسکتی ہے۔

دوسرے نے کہا، نہ میرے عزیز! ایسی باتیں نہ کہو، عمر باقی ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ یہاں تو معاملہ سمندر کے سفر سے ہے لوگوں کی زندگی اور عمر کا دارومدار، اندھی اور بہری تقدیر کے ہاتھ میں ہے۔ انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے۔ اگر کوئی شخص جلتے ہوئے کھیلان میں کود پڑے اور ایسا لباس نہ پہنے جسے آگ نہیں لگتی تو یقیناً جل جائے گا اگر انسانی زندگی اور عمر کا تعلق تقدیر سے ہوتا تو کوئی شخص حرارت سے بچنے کی تدبیر نہ کرتا۔ اس لئے میں اس چھوٹی کشتی اور اس میں سوار لوگوں کو دیکھ کر ڈر رہا ہوں۔

دوسرے نے کہا، خواہ مخواہ نہ ڈرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ ہمیں کیسے معلوم ہے کہ عمدہ تیراک نہ ہوں۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہر دیوانہ اپنے کام میں ہوشیار ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ دریا میں طغیانی بھی آسکتی ہے۔

ایک اور کہنے لگا، ان دونوں نے بھی ہر ممکن احتیاط کی ہوگی اس لئے ہماری بڑی کشتی کے تعاقب میں آرہے ہیں اگر انہیں مدد کی ضرورت ہوتی تو ہم سے درخواست کرتے۔

پہلے شخص نے کہا، خدا کرے کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور نہ ہی کسی کو معلوم ہے کہ کیا ہوگا۔

دوسرے نے کہا، اسکے باوجود بھی عقل کی شرط یہ ہے کہ مشہور قول کے مطابق علاج واقعہ قبل از وقوع باید کرد یعنی حادثہ سے پہلے بچاؤ کی تدبیر کرنی چاہیئے۔

انسانی عمر اتنی لمبی نہیں ہے۔ ہم بھی تاجر ہیں اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ روزی رساں ہے اور ہماری عقل بے کار سی چیز ہے تو پھر کیا ہوگا؟ اونٹوں پر زیرہ لاد لینگے اور کرمان لیجائینگے اس صورت میں لازمی طور پر ہمیں نقصان کا سامنا ہوگا اس لئے کہ کرمان میں زیرہ کی بہتات ہے! میں تو یہی کہوں گا کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کام میں ہاتھ ڈالنا دیوانوں کا کام ہے۔

وہ ایسی باتیں کررہے تھے کہ آہستہ آہستہ شمالی ہوائیں چلنے لگیں اور سطح آب پر لرزش پیدا ہوگئی جب چھوٹی چھوٹی موجیں آپس میں ملتیں تو بڑی موجیں بن جاتیں جن سے ہر طرف شوروغل برپا ہونے لگا سمندر میں طغیانی آگئی تھی اسلئے بڑی کشتی ہچکولے کھانے لگی مسافروں نے تختوں اور رسیوں کو پکڑلیا اور اپنی حفاظت کرنے لگے۔

جو کشتی ان کے تعاقب میں آرہی تھی چند بلند و بالا موجوں سے دوچار ہوکر دیکھتے ہی دیکھتے غرق ہوگئی اور اس میں سوار دونوں جوان ہاتھ پاؤں مارتے کشتی سے جدا ہوگئے۔

یہ اندوہناک حادثہ دیکھ کر مسافروں نے افسوس کیا کہ اتنے میں ایک تاجر جو نہایت رحمدل تھا کہنے لگا، ابھی کچھ دیر کے بعد دونوں جوان ڈوب جائیں گے تم میں سے جو شخص ہمت کرے اور ان کو موت سے نجات دِلائے تو میں اسے سو اشرفیاں اِنعام دونگا یعنی ہر شخص کے بدلے پچاس اشرفیاں۔

ملاح کا شاگرد کشتی کا بادبان نیچے گرارہا تھا اس نے جب تاجر کی باتیں سنیں تو کہنے لگا میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ اس نے اپنا لباس اُتارا اور تیراکی کا لباس پہن کر سمندر میں چھلانگ لگادی اور کافی کوشش کے بعد ایک نوجوان کو پکڑ کر کشتی میں لے آیا لیکن بدقسمتی سے دوسرا جوان اس کے ہاتھ نہ آیا اور دریا کی موجوں میں دور دور تک دکھائی نہ دیا۔

ملاح کا شاگرد جب کشتی میں پہنچا تو ایک مسافر نے کہا، میں یہی باتیں کہتا تھا بلکہ اب تو تم نے خود ہی دیکھ لیا ہے۔

دوسرے دو شخص کہنے لگے، ہم بھی یہی کہتے تھے۔ ڈوبنے والے کی زندگی ختم تھی اس لئے ڈوب گیا ہے لیکن اس کے ساتھی کی عمر باقی تھی اس لئے نجات حاصل کرلی، کسی کو تقدیر کی باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔

دوسرے دو شخصوں نے جواب دیا، ہم نے بھی یہی باتیں کہی تھیں۔ اب کس نے پچاس اشرفیاں اِنعام پائی ہیں۔ وہ شخص جو تیرنا جانتا تھا لیکن کسی دوسرے نے سمندر میں جانے کی ہمت نہ کی۔ ملاح کے شاگرد نے کئی دِنوں تیرنے کی مشق کی اور تیراکی سیکھی اس لئے اپنے ہنر سے فائدہ حاصل کیا۔

ایک دوسرے شخص نے کہا، میں نے بھی یہی کہا تھا اور شروع سے ڈر رہا تھا کہ سمندر کی طوفانی موجوں کا مقابلہ یہ چھوٹی کشتی کس طرح کرسکے گی؟ اب تم نے دیکھ لیا کہ کشتی بھی غرق ہوگئی اور ایک جوان بھی ڈوب گیا۔

اس دوران ملاح کا شاگرد جو مسافروں کی باتیں سن رہا تھا۔ کہنے لگا، دُرست ہے کہ سمندر کے سفر میں کئی خطرات ہیں
اسی طرح زندگی میں بھی ان گنت حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن موجودہ واقعہ میں ایک دوسری بات پر غور کرنا ضروری ہوگا
مجھے اسلئے انعام ملا ہے کہ میں تیراک ہوں یہ مزدوری جاننے اور ہنر کی بدولت مجھے ملی ہے اگر میرے ہمراہ ایک دیگر شخص بھی ہوتا
تو ہم دونوں ڈوبنے والوں کو بچا سکتے تھے لیکن دونوں کو نجات دلانا مجھ اکیلے کے بس میں نہ تھا۔ اگر میں دونوں کو پکڑتا تو میرے لئے
کام مشکل بن جاتا یعنی دونوں مجھ سے لپٹ جاتے اور میری جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ یہ دونوں بھائی تھے اور میرے اہل محلّہ
بھی تھے جونہی میں نے سمندر میں چھلانگ لگائی تو انہیں پہچان لیا، جو بھائی غرق ہوگیا ہے میں اس کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔
اس نے ایک دن مجھے ناحق مارا پیٹا تھا لیکن یہ جوان جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے اس نے مجھے اپنے ہمراہ اونٹ پر سوار کر لیا تھا
جبکہ میں صحرا میں تھکا ہارا اور بھوکا پیاسا تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنی تقدیر بھی خود بنائی ہے آج جبکہ میں ایک فرد کو نجات دِلانے
پر قادر تھا اس لئے ایک بھائی کا انتخاب کیا اور اپنی دِلی خواہش کے مطابق اپنے محسن کو بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اگر میری جگہ
کوئی دوسرا شخص بھی ہوتا تو وہ بھی ایسے فرد کو بچانے کی کوشش کرتا جس کی خوبی سے آگاہ ہوتا چنانچہ میں نے بھی یہی کیا ہے۔

لیکن مسافر تو بدستور انی باتیں دُہرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اگر ملاح کا شاگرد انہیں نہ پہچانتا تو ایسا نہ کرتا اور ممکن ہے
اس کا دوسرا بھائی نجات حاصل کر لیتا ایک دوسرا کہنے لگا، اگر یہ دریا میں نہ آتے تو دوسرا بھائی غرق نہ ہوتا۔ ایک دوسرے نے کہا،
اگر یہ ہماری کشتی سے دُور ہوتے تو ایک بھائی بھی نجات حاصل نہ کرتا۔ ایک دوسرے نے کہا، اگر ....

لوطی انتری۔ چچا علی اور ماموں علی

ہمت آباد بھی علی آباد کی طرح ایک شہر تھا، جہاں ہر طرح کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے۔ان کے بھی دوسروں کے طرح کئی غم تھے کیونکہ جہاں بھی انسان رہتا ہے اسے کوئی نہ کوئی دُنیاوی غم ضرور ہوتا ہے۔اس وسیع وعریض دنیا میں ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے جو ہر طرح سے بے نیاز یا دوسروں کا محتاج نہ ہو اس لئے کہ داناؤں نے کہا جب تک میدان جنگ میں نہ اُترو۔ بہتر ہے کہ سب سے بنائے رکھو۔ ہمت آباد کے لوگ بھی یہ باتیں سمجھتے تھے اور ہر روز کوشش کرتے تھے کہ جو چیزیں انکے پاس موجود نہیں ہیں انہیں حاصل کریں کیونکہ انکے پاس جو کچھ موجود تھا اس سے وہ خود بھی آگاہ تھے۔اس شہر میں ایسا چوک نہ تھا جہاں ہر طرف بازار ہوتے لیکن ایک چھوٹا سا بازار ضرور تھا جہاں ضروریات کی اکثر و بیشتر چیزیں مل جاتی تھیں، یہاں مدرسہ بھی نہ تھا لیکن مکتب اور مسجد کے یاروں کے مل بیٹھنے کی چوپال تو موجود تھی۔ ہمت آباد کی ہر چیز ایک داستان کی طرح مشہور تھی جن میں مسجد کے یاروں کا قصہ اس طرح ہے کہ کئی سال پہلے اس شہر میں مسجد نہ تھی لیکن ایک محلّہ میں علی نامی شخص کا ایک پرانا لیکن بہت بڑا مکان تھا جو اس کے باپ دادا کی نشانی تھی۔ایک دن موسم بہار میں سخت بارش ہوئی جس نے سیلاب کی صورت اختیار کرلی۔اس لئے دوسرے گھروں کی طرح علی کے مکان میں بھی پانی بھر گیا اور گر گیا۔

علی کے پاس کوئی رقم نہ تھی کہ دوبارہ مکان تعمیر کرتا اور نہ ہی اس کا دل چاہتا تھا کہ مکان بیچ کر کہیں اور چلا جائے اس لئے ایک تنگ و تاریک دالان میں رہنے لگا جس کی صرف چھت ہی رہ گئی تھی۔علی اسی دالان میں گزر بسر کرنے لگا اور کسی نے نہ دیکھا کہ علی نے اس حادثہ کی کسی طرح سے شکوہ وشکایت یا آہ وفریاد کی ہو۔اگر وہ شکوہ شکایت کرتا تو اس کا کیا فائدہ تھا؟ کیا کوئی شخص آکر دوبارہ اس کا مکان تعمیر کر دیتا؟ اسے معلوم تھا کہ آہ وفریاد کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ لوگ اس پر ترس نہ کھائیں گے بلکہ اس کا حال احوال پوچھنے سے بھی رہ جائیں گے۔

وہ اپنی طبیعت کے مطابق لوگوں سے نہایت محبت اور پیار سے رہنے لگا بلکہ مکان کے گرنے کے تازہ غم سے بھی متاثر نہ ہوا البتہ ایک شخص نے اسے کہا، علی یہ تو بہت برا ہوا ہے کہ تمہارا مکان گر گیا ہے۔علی نے کہا، یہ تو بہت اچھا ہوا ہے اس لئے کہ ابھی تک دالان کی چھت میرے سر پر باقی ہے۔

دوسرے شخص نے پوچھا، کب نیا مکان بناؤ گے؟

علی نے کہا، میں معمار نہیں ہوں۔ گھر تو معمار بناتا ہے۔ میں تو صرف سقہ ہوں۔

ایک دوسرے شخص نے کہا، چچا علی! زندہ رہو۔ تم کبھی ہمت نہیں ہارتے اور نہ ہی روتے دھوتے ہو۔

علی نے جواب دیا، میں روتا بھی ہوں لیکن صرف خریدار کے سامنے، اس لئے کہ دل شکستہ لوگوں کا خریدار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ میرے نقصان میں لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ علی اکیلا تھا اور اکیلا ہی رہنا پسند کرتا تھا۔ اس کی باتیں لوگوں پر اثر کرتی تھیں اس لئے سب اسے پسند کرتے تھے وہ اس کا احترام کرتے اور سقہ علی کے بجائے چچا علی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ پیشہ کے اعتبار سے علی سقہ تھا اور اس میں کوئی برائی بھی نہ تھی، وہ دوسرے سقوں کی طرح نہ تھا جو پیاسوں کے ہاتھ پانی بیچتے ہیں۔

پرانے زمانے میں جبکہ صرف دریاؤں، تالابوں اور چشموں کا پانی ہوا کرتا تھا، سقائی بھی ایک پیشہ تھا۔ جہاں پانی کی ضرورت ہوتی اور جاری پانی میسر نہ ہوتا تو لوگ سقہ کو اطلاع دیتے جو اپنی مشک کے ذریعے انہیں پانی پہنچاتا تھا۔ چچا علی بھی اپنے محلہ کے سقوں میں سے ایک تھا لیکن دوسرے سقوں اور علی میں یہ فرق تھا کہ علی پڑھا لکھا تھا۔ چچا علی کی جیب میں ہمیشہ ایک آدھ کتاب موجود ہوتی تھی جب اسے فرصت ملتی تو پڑھنے کیلئے بیٹھ جاتا۔ لوگ پوچھتے چچا علی کیا پڑھتے ہو؟ وہ جواب دیتا کچھ نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو مشغول رکھوں جب اس کا روزانہ کا کام ختم ہوجاتا یا جاگتا رہتا تو کتاب پڑھنے میں لگا رہتا تھا۔ اس نے لکھنا پڑھنا اپنے والد سے سیکھا تھا۔ اسلئے کئی کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔ وہ ہر موضوع پر بات کرسکتا تھا بلکہ موقع اور محل کے مطابق اسے کئی اشعار اور امثال بھی یاد تھیں۔ وہ جہاں کام کرتا لوگ خوش ہوتے کہ ہم نے علی چچا کی خدمات حاصل کرلی ہیں کیونکہ اکثر لوگ اس کے کام کے علاوہ نیکی اور معرفت کی باتیں بھی اس سے سنتے تھے۔ مکان تعمیر کرنے ولے معماروں اور نانبائیوں کو اکثر علی سے واسطہ رہتا تھا جو اسے عارف، درویش اور ملا سمجھتے تھے لیکن وہ خود اکثر کہتا ہے کہ میں درویش نہیں ہوں، ہمت آباد کا سقہ ہوں۔ مجھے چند باتیں یاد ہیں جو میں نے کتابوں میں پڑھی ہیں اس لئے اگر تم بھی محنت کرو اور لکھ پڑھ لو تو ایسی باتیں یاد کرسکتے ہو۔

چچا علی کے پاس ایک ایسی کاپی بھی موجود تھی جس میں کئی طرح کے اشعار لکھے تھے بلکہ یہ اشعار اس نے خود بنائے تھے۔ جب اسے کتاب پڑھنے سے فرصت ملتی تو اشعار لکھنے بیٹھ جاتا تھا۔ وہ اکثر کہتا اس میں کیا مضائقہ ہے ایک شاعر تو عطار نیشاپوری ہے ایک قصاب کاشانی ہے ایک خراسانی موچی ہے اس لئے ہمت آباد سقہ بھی ہونا چاہئے۔

چچا علی چوری چھپے اشعار لکھتا تھا بلکہ اپنے اشعار کسی کو نہ سناتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے قصوں کی کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک شاعر کسی نہ کسی بہانہ سے اپنے اشعار لوگوں کو سناتا تھا لیکن لوگ اس کے ہاتھوں عاجز ہو گئے تھے۔ اس لئے چچا علی نے اس قصہ سے عبرت حاصل کرلی تھی۔ وہ اپنے آپ سے کہتا تھا کہ میں شعر کتابی صورت میں لکھ لوں گا تاکہ میری یادگار رہیں پھر ہر شخص خود ہی پڑھتا رہے گا لیکن اب مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کو پھندے میں جکڑ لوں اور انہیں اشعار سناتا رہوں۔

چچا علی جو کچھ پڑھتا تھا اس سے نصیحت حاصل کرتا اور لوگوں سے عمدہ برتاؤ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس لئے ہمت آباد کے لوگ اس کے رویہ سے بیحد خوش تھے۔

ہاں! بارش نے چچا علی کا مکان گرادیا تھا لیکن اسکے دل کا مکان آباد تھا۔ ایک رات جب وہ نماز پڑھ چکا تھا، رات کا کھانا کھا چکا تھا، کچھ مطالعہ بھی کرلیا تھا اور تھکا ہارا بستر پر لیٹا تھا۔ اس دوران اپنے دل میں سوچنے لگا، اب یہ گرا پڑا مکان میرے کس کام کا ہے؟ جب اسے نیند آنے لگی تو پھر بھی اسے مکان کا خیال آرہا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی زمین پر مسجد بنائی جارہی ہے اور وہ خود بھی مزدوروں اور ستقوں کے ہمراہ مسجد کی تعمیر میں لگا ہے۔ وہ خوشی خوشی نیند سے بیدار ہوا اور کہنے لگا، میں یہی کام کروں گا۔ بیداری کی حالت میں مسجد کی تجویز میرے ذہن میں نہ آئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب میں مجھے بشارت دے دی ہے کہ مسجد تعمیر کروں، علی کو مکان کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہمت آباد کو مسجد کی ضرورت ہے۔ جو تھوڑی سی ہمت سے تعمیر کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارش نے میرا گھر خراب کردیا ہے لیکن میں یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر بناؤں گا اور اس کا نام بھی بارش کی مسجد رکھوں گا۔

چچا علی بستر سے اُٹھا اور چراغ جلا کر بیٹھ گیا تاکہ بڑا سا اشتہار لکھے لیکن اس کے پاس اتنا بڑا کاغذ نہ تھا۔ اسے ایک سوتی کپڑے کا خیال آیا جو اس کے گھر میں موجود تھا اسے تلاش کیا اور اس پر کالی سیاہی اور موٹی قلم سے مندرجہ ذیل مضمون کا اشتہار لکھ کر دیوار پر لٹکا دیا۔

اے ہمت آباد کے لوگو! تمہیں خوشخبری دی جاتی ہے کہ میرا گھر گر گیا ہے لیکن ثواب کا باعث بن گیا ہے۔ یہاں مسجد تعمیر کی جائیگی جو اللہ تعالیٰ کا گھر ہوگا۔ زمین حاضر لیکن عمارت بنانے کا خرچ نہیں ہے۔ سب لوگوں کو اِطلاع دی جائے کہ مل کر کام کریں تاکہ تمہاری مدد سے بارش کی مسجد تعمیر ہوسکے۔ دس بارہ افراد مل کر کام کریں تو سب کیلئے خوشی کا سبب بن سکتے ہیں بندہ کسی کام کے لائق نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر کام پر قادر ہے، نیک کام تھوڑا بھی ہو تو زیادہ شمار کیا جاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ ایسے کام میں سونا، چاندی، دِرہم و دِینار بلکہ طشت و بادیہ بھی اللہ تعالیٰ منظور کرتا ہے جس کے پاس رقم موجود ہے مالی امداد کرے ورنہ تعمیر میں مزدوری کرے۔ میں یاروں کی یاری سے بارش کی مسجد کی تعمیر کے انتظار میں ہوں گا۔ ﴿چچا علی سقہ﴾

اخلاص کی آواز سب جگہ پہچانی جاتی ہے اس ترتیب سے ہمت آباد کے مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں نے چچا علی کی دعوت پر لبیک کہا۔ ایک نے درہم و دینار دیئے، ایک نے غلہ دیا، دوسرے نے اینٹیں اور چونا دیا، ایک نے دروازے کے تختے دیئے، ایک بیلچہ اور تغاری لے آیا، دوسرا اُون اور روئی لے آیا، لڑکے نے مٹی کا گلہ پیش کر دیا، لڑکی گڑیا لے آئی، ماں انگوٹھی اور کان کی بالی لے آئی، باپ نے کھلیان سے گندم کا وعدہ کیا، اس نے بھوسہ اور جو دے دیئے، اس نے پرانے اور نئے کپڑے ڈھیر کر دیئے۔ اس طرح دیوار کے قریب مختلف سامان، اجناس اور رقم کا ڈھیر لگ گیا۔ جمعہ بازار اور ہفتہ کی بازاری میں رقم جمع ہوگئی اور کام دُرست ہوگیا، ہر طرح کی منصوبہ بندی اور قول و قرار کے بعد بارش کی مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔

جب لوگ کسی کام میں ہمدل ہوتے ہیں تو ہر مشکل آسان بن جاتی ہے ہر گھر کے لوگ کمر بستہ ہو کر جمع ہونے لگے اور ہمت آباد کے لوگ اپنی مدد آپ کے تحت سرفراز ہونے لگے۔ نتیجہ حاصل ہوگیا اور مسجد تعمیر ہوگئی اور سب نے آمنا وصدقنا کہا۔ ایک نے کہا بارش کی مسجد نہ کہو یاروں کی مسجد کہو اور یہ نام مسجد کے دروازہ پر لکھ دیا گیا اور ہمت آبادیوں نے سمجھ لیا کہ وہ جب چاہیں مسجد جیسے بڑے منصوبہ کی تکمیل کر سکتے ہیں اگر چہ خالی ہاتھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن ارادہ مضبوط ہونا چاہئے۔

ہمت آباد شروع میں تو ایک چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن آہستہ آہستہ چھوٹا شہر بن گیا۔ اب یہاں پر چھوٹی بڑی چیز مل سکتی تھی۔ کچے اور سڑکیں از سر نو بن گئے تھے۔ چھتیں اور دیواریں تعمیر ہو رہی تھیں۔ میزبانی اور مہمانی کے چرچے تھے، کھانا پکتے وقت دھواں کش سے سیاہ دھواں بھی نکلتا تھا کام اور بیکاری بھی تھی، خواب اور بیداری بھی تھی، مستری اور مزدور اور جن لوگوں کی ضرورت تھی سب موجود تھے۔ گلی کوچوں میں آنے جانے والے اور گھروں میں رونا دھونا اور ہنسنا ہنسانا بھی تھا۔ بچے اپنا بچپن گزار رہے تھے اور بزرگ اپنی بزرگی۔ یہاں کے باشندے دنیا کے دوسرے لوگوں کی طرح تھے یعنی اچھے برے اور متوسط۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی کام تھا کبھی مصیبت میں مبتلا رہتے اور کبھی آسودہ۔ جب مل کر بیٹھتے تو شمع اور پروانہ کے مانند ہوتے۔ اسی طرح خواندہ اور ناخواندہ بھی تھے۔ جب شادی ہوتی تو ہر طرف نغمے اور گیت ہوتے۔ محلّہ شاد ہوتا خوشی زیادہ ہوتی۔ اپنوں اور بیگانوں سے گھر بھر جاتے۔ گویئے خوشی کے گیت گاتے، شادی اور دامادی کے بندھن، کیا یہاں، کیا وہاں، ہر جگہ جاری تھا۔

اس رات ہمت آباد میں شادی کی تقریب منائی جارہی تھی جس میں رشتہ داروں اور ہمسایوں کو دعوت دی گئی تھی چونکہ رات کا وقت تھا اس لئے عمدہ مجلس قائم تھی۔ ہر طرح کے مہمان مل کر بیٹھے تھے۔ کھانے پینے کے علاوہ گانے بجانے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ دف بجانے والے اور تالیاں بجانے والے بھی موجود تھے اور ہر طرف شور و غوغا برپا تھا اس کے علاوہ خصوصی پروگرام لوطی انتری کا کھیل تماشا تھا۔ لوطی انتری شہروں اور دیہاتوں میں جاتا اور ان کی مجالس میں شامل ہو کر شعبدہ بازی کے کرتب دکھاتا، ہنسی مذاق کے قصے بیان کرتا اور شیریں کلامی سے انہیں لطف اندوز کرتا تھا لیکن اسکا اصل کام بندر کا ناچ تھا، جو اپنی بازی گری میں

نہایت ماہر تھا۔ لوطی انتری کو اپنے کام میں کئی سال کا تجربہ تھا اس لئے لوگوں کے مزاج سے واقف تھا وہ جانتا تھا کہ لوگ جتنے ہی ان پڑھ اور نادان ہوں گے اسی قدر اپنا وقت ضائع کرنے کیلئے تیار ہوں گے اس لئے وہ اپنے شاگرد غلام علی کو بھی ایسی مجالس میں اپنے ہمراہ لے جاتا تھا تا کہ اپنی باتوں اور گانوں سے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ رقم بٹورے، اس رات بھی جشن عروسی کے شرکاء اور میزبانوں نے لوطی انتری کو تحفے بھیجے تھے اور خواہش اور درخواست کی تھی تا کہ شادی کی تقریب میں اپنے فن کا مظاہرہ کرے اور جشن کی رونق دوبالا ہو۔

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ لوطی انتری شادی کی تقریب میں آ رہا ہے تو بچوں اور جوانوں نے اہل محلّہ کو اطلاع دی جس کی بدولت گلی کوچوں میں بازار جیسی رونق ہوگئی جو شخص پوچھتا یہاں کیا تقریب ہے؟ اسے جواب ملتا کہ یہاں شادی ہے لیکن لوطی انتری بھی آ رہا ہے۔ جب شادی کی رسمیں شروع ہوئیں تو لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ صحن، کمروں، رستوں بلکہ چھتوں پر بھی مرد، عورتیں اور بچے موجود تھے۔ وہ نہ صرف شادی کی تقریب میں شمولیت کیلئے آئے تھے بلکہ لوطی انتری کا تماشہ بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ صحن میں حوض پر ایک تخت بچھا کر اسے اسٹیج کی شکل دے دی گئی تھی اہل خانہ نے خصوصی مہمانوں کو بڑے کمرے میں بٹھا دیا تھا جو اسٹیج کے عین سامنے تھا۔

مہمانوں میں مدرسہ کا استاد دبیر علی بھی تھا جس کا شاگرد ہونے میں دولہا کو بڑا فخر تھا۔ سب کہہ رہے تھے کہ دبیر علی اچھا ریاضی دان ہے۔ اس کے ساتھ ہی دولہا کا ہمسایہ ماموں علی بیٹھا تھا جو ان پڑھ اور عام آدمی تھا اس نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت پر کئی تصویریں کھدوا رکھی تھیں۔ اہل خانہ نے علی چچا کو نہایت عزت سے بٹھایا تھا وہ دن کو کئی مشک پانی لایا تھا لیکن اسے جشن کا نظارہ دیکھنے کیلئے ٹھہرا لیا گیا تھا۔

دولہا اور دلہن کی جگہ ساتھ والے کمرہ میں بنائی گئی تھی جہاں عورتوں اور بچیوں نے بیٹھنے کی جگہ تنگ کر دی تھی۔ اگر اس جشن میں لوطی انتری نہ ہوتا تو اس کی رونق زیادہ نہ ہوتی۔ سب سے پہلے مہمانوں کی شربت اور مٹھائی سے تواضع کی گئی اس کے بعد مجلس کے ناظم نے اعلان کیا۔

بزرگو اور عزیزو! شادی کی تقریب کی خوشی میں ہم سب کی خواہش کے مطابق، مشہور بازی گر، قصہ گو، طوطی ہندوستان، بندر کے کرتب دکھانے والا...... لوطی انتری اپنے فن کا مظاہرہ کرے گا ہر طرف تالیوں اور دف بجنے کی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے اپنے سینوں میں سانس روک لیا۔ لوطی انتری نے بندر کی رسی پکڑی اور اُچھل کر تخت پر چڑھ گیا اور اس کے پیچھے اس کا شاگرد غلام علی بھی جا پہنچا۔ غلام علی کے ہاتھ میں لوہے کا دائرہ تھا دونوں استاد شاگردوں نے تخت پر چند چکر لگائے اور مناسب ادا و اطوار سے حاضرین کی تعظیم کی اور اپنی باتوں سے انہیں لبھانے لگے۔

انہوں نے کئی باتیں کہیں اور سنیں۔ ہنستے اور ہنساتے رہے۔ بچوں نے بھی سروں اور ہاتھوں کے اشاروں سے ان کی ہمراہی کی اور جوانوں نے تالیاں بجائیں اور ایسا شور وغل برپا ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

علی چچا بھی نہایت خاموشی سے مجلس میں بیٹھا تھا۔ استاد دبیر علی بھی ان کے قریب بیٹھا تھا جو چھت اور در و دیوار کو دیکھ رہا تھا اور دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ ماموں علی نے اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا اور ہنس ہنس کر بے حال ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی اور آنکھیں اشکوں سے تر تھیں۔ جب لوطی انتری کا پروگرام ختم ہوا تو ماموں علی پھر بھی ہنس رہا تھا جب وہ خاموش ہوتا تو کچھ دیر کے بعد دوبارہ ہنسنے لگتا اور دیکھی اور سنی باتیں دُہرانے لگتا۔

معلوم نہیں ماموں علی، استاد دبیر علی کو کیسے پہچانتا تھا لیکن جب اسے آرام آیا تو استاد کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا جناب! آپ نے لوطی انتری کے کمالات دیکھے ہیں؟ استاد دبیر علی مسکرایا اور کہا ہاں! اچھا پروگرام تھا۔ ماموں علی نے کہا، صرف پروگرام ہی اچھا نہ تھا بلکہ لوطی انتری تو موتی ہے۔ ایسا کون شخص ہے جو مجلس کو ایسا گرما سکے۔ یہ لوگ اپنے فن سے لوگوں کو خوش کرتے ہیں۔ کاش! ہر روز شادی کی تقریب ہوتی۔ دبیر علی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسی طرح چند لمحے گزر گئے تو دبیر علی اپنی جگہ سے اُٹھا اور ماموں علی اور چچا علی کو دیکھ کر کہا دوستو! خدا حافظ۔ یہ ماجرا دیکھ کر علی چچا نے ماموں علی سے کہا، تو نے اچھا کام نہیں کیا، تو نے استاد دبیر علی کو ناراض کر دیا ہے۔

میرے تمہارے استاد دبیر علی اور لوطی انتری کے کام کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ماموں علی نے کہا مجھے تو اس بات کا افسوس ہے کہ استاد دبیر علی تمام وقت چھت اور در و دیوار کو دیکھتا رہا اور لوطی انتری کو ایک لمحہ بھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ یہ پڑھے لکھے لوگ کسی کام کو پسند نہیں کرتے اور ہر وقت ان کی پیشانی پر بل پڑا رہتا ہے لیکن ایک لوطی انتری ایسے سینکڑوں دبیر علی کے برابر ہے۔

علی چچا نے کہا، سینکڑوں لوطی انتری بھی استاد دبیر علی کے مانند نہیں ہو سکتے۔ یہ شخص دانشمند ہے اور لوطی انتری شعبدہ باز ہے۔ تم ان دونوں کا مقابلہ کس لحاظ سے کرتے ہو؟ ان دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔

ماموں علی نے کہا، ان کا ربط یہ ہے کہ لوطی انتری نے اس وقت کتنی رقم وصول کی ہے اور لوگوں کیلئے کتنا تفریح کا سامان پیدا کیا ہے اور انہیں خوش کیا ہے۔

وہ ہر روز اور ہر ساعت ایسے سینکڑوں کام کر سکتا ہے لیکن تمہارا استاد ایسا کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔ اگر ہمارے سامنے کھڑا ہو کر چند کلمے کہہ دے تو سامعین کو نیند آ جائے گی۔

علی چچا نے کہا، میں نہیں سمجھتا کہ تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ لوطی انتری کو اگر سونے اور چاندی میں بھی تولا جائے تو پھر بھی لوطی انتری ہوگا لیکن استاد دبیر علی ایک دانشمند اور قابل احترام انسان ہے۔

ماموں علی نے ہنستے ہوئے کہا، احترام؟ کیا احترام؟ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ لوطی انتری کو دیکھنے کیلئے کس طرح جمع ہوگئے تھے؟ اس کے آنے سے کتنے خوش حال تھے اور اس کے قدموں میں رقم بچھاتے رہے۔ کیا استاد کو یہ قدرت حاصل ہے کہ کسی کے ماتھے سے غم وغصہ کے بل ہٹا سکے؟

چچا علی نے کہا، اے بھائی! تو جاہلوں کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ استاد دبیر علی اور اس کے مانند دوسرے اشخاص ہمیں دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ تو نے شادی کی تقریب میں لوطی انتری اور چند جاہلوں کو دیکھا ہے۔ کیا لوطی انتری تمہارے بیٹے اور بیٹی کی تربیت کرسکتا ہے؟ اور انہیں حساب کتاب پڑھا سکتا ہے؟ اگر تم کل گر پڑو اور تمہارا پاؤں ٹوٹ جائے تو کیا اس حالت میں لوطی انتری تمہارا علاج کرسکتا ہے؟ کیا تمہارا لباس سی سکتا ہے؟ کپڑا بن سکتا ہے؟ جوتا سی سکتا ہے؟ گندم کاشت کرسکتا ہے؟ کیا روٹی پکا سکتا ہے؟ کہ تم زہر مار کرو۔

ماموں علی نے کہا، مجھے تو لوطی انتری کے کام پسند ہیں لیکن یہ تو عجیب بات ہے کہ استاد دبیر علی بھی کئی کام جانتا ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ ریاضی دان ہے، ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں جوڑ سکتا ہے، قفل ساز اور کسان بھی ہے، نانبائی اور طبیب بھی ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ 'بابا' صرف اپنے لئے انسان نہیں ہے بلکہ دوسروں کے کام بھی کرتا ہے۔ پس مجھے بتاؤ کہ جب اس کے اتنے زیادہ کام ہیں تو یہی وجہ ہے کہ اس کا دماغ خشک ہوگیا ہے اور اس کے ہونٹ ہنسنے کیلئے نہیں کھلتے بلکہ دسروں کو بھی ہنستا ہوا نہیں دیکھ سکتا!

چچا علی نے قدرے ناراضگی سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم ناسمجھ ہو یا پھر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ استاد سب کام جانتا ہے، میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری زندگی کی باگ دوڑ ایسے دانشمندوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایک معلم ہے، ایک طبیب ہے، ایک انجینئر ہے، ایک کھیتی باڑی کرسکتا ہے، ایک کاریگر ہے اور دوسرے کام کرسکتا ہے۔ اگر یہ لوگ نہ ہوں تو دنیا کے سب کام ادھورے رہ جائیں گے لیکن شاید تو نے یہ نہیں سوچا کہ اگر لوطی انتری نہ ہوگا تو کیا فرق پڑے گا؟

ماموں علی نے کہا، پس صاف صاف کہہ دو کہ تمہیں لوطی انتری پسند نہیں ہے بلکہ خشک اور بے ذوق انسان ہو، آیا جو لوگ اسے پسند کرتے ہیں، انہوں نے گناہ کیا ہے۔

ہاں! مجھے بتاؤ کہ زندگی کیلئے سرگرمی، تفریح اور خوشی کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں؟

چچا علی نے کہا، کیوں نہیں مثلاً شادی کی تقریبات میں عمدہ اور اچھے پروگرام بھی بنائے جاسکتے ہیں لیکن جس طرح تم خیال کرتے ہو اگر یہ طے کرلیا جائے کہ ہر روز اور ہر ساعت، ہر کوچہ اور ہر گھر میں لوطی انتری لوگوں کا وقت ضائع کرے تو زندگی کے دوسرے کام ادھورے رہ جائیں گے۔ ہمارے بچے انہی کھیل تماشوں میں لگے رہیں گے اور ہر وقت انہیں دیکھنے کی آرزو کریں گے بلکہ ان کی تمام سوچ لوطی انتری بننے کی طرف مبذول رہے گی۔ شاعر نے کہا ہے:

هرچه بینی، دلت هماں خواهد　　　هرچه خواهد دلت، هماں بینی

بہرحال اگر تم سوچنے کی کوشش کرو کہ ہمت آباد کے سب لوگ لوطی انتری بن جائیں تو ہمت آباد کباڑ خانہ بن جائے گا۔ اگر فرض کریں اس شہر میں لوطی انتری نہ ہو اور ہر شخص کوئی نہ کوئی مفید کام شروع کردے تو چند سالوں کے بعد ہمت آباد تہذیب وتمدن کا مرکز بن جائے گا۔

ماموں علی نے کہا، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں کوئی چیز قبول نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں زندگی کی پہچان ہے۔ اگر یہ بات طے ہوجائے کہ کسی وقت بھی ہنسنے کیلئے میرے ہونٹ نہ کھلیں اور ہر وقت اپنے کام میں لگا رہوں اور تفریح اور خوشی کا کوئی سامان نہ ہو تو میرا دم گھٹ جائے گا پھر تو یہی خواہش کروں گا کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے۔

چچا علی نے کہا، معافی چاہتا ہوں میں تو پھر بھی یہی کہوں گا کہ تمہیں خوشی کا مفہوم معلوم ہی نہیں ہے۔ وہ خوشی جو انسان کو تازہ اور خوش وخرم رکھتی ہے لوطی انتری کی شعبدہ بازی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ استاد دبیر علی اس بے مقصد شور وغل سے لطف اندوز نہ ہوا۔ میں اور تم بھائی ہیں اور بچوں کی طرح سوچتے ہیں اس لئے مکھی اور خاروخس کے اُڑنے کی خش خش یا ہر چھوٹے بڑے کی بے مقصد حرکات دیکھنے میں وقت ضائع کردیتے ہیں۔ اگر ہم بزرگوں کی طرح سوچیں تو ہمیں اپنے فعل پر تعجب ہوگا کہ ہم نے ایسے فضول کاموں کو تفریح کا نام کیسے دے دیا ہے؟ زندگی میں کئی ایسی چھوٹی بڑی خوشیاں موجود ہیں جنہیں استاد دبیر علی پہچانتا ہے۔

دیکھو میرے بھائی! اسی شادی کی تقریب میں سب لوگ لوطی انتری کے ہمراہ شور وغل مچا رہے تھے لیکن دولہا اور دلہن تو اپنے سہاگ کی دعائیں مانگ رہے تھے کیا ان کی خوشی لوطی انتری کے آنے میں تھی یا اپنی شادی خانہ آبادی میں؟

ماموں علی نے کہا، یہ تو بڑی عجیب باتیں ہیں پس تم کہنا چاہتے ہو کہ چھوٹے بچے شادی کریں اور انہیں خوشی حاصل ہو اور بچپن میں ان کیلئے تفریح کا دیگر کوئی سامان نہ ہو؟

چچا علی نے کہا، میں نے یہ تو نہیں کہا۔ کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ تم نے پیٹ پکڑ رکھا تھا اور خوشی سے آنسو بہا رہے تھے اور استاد دبیر علی کو سخت سست کہہ رہے تھے؟ میں نے تو صرف یہی کہا ہے کہ تمہاری سوچ بچگانہ ہے بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ زندگی کے ہر اچھے اور عمدہ کام میں حقیقی خوشی ہوتی ہے لیکن بیکار اور فضول رسموں میں شامل ہونا یا شعبدہ بازی کے کرتب میں وقت ضائع کرنا ان پڑھ اور جاہلوں کا کام ہے۔ مثال کے طور پر ہم اپنی خوراک میں مصالحہ جات استعمال کرتے ہیں لیکن مصالحہ جات ہماری خوراک نہیں ہیں اور ایسے شخص کی عقل اور سمجھ پر افسوس ہے جو کالی مرچ اور دارچینی کو غذا اور خوراک سمجھتا ہے۔

ماموں علی نے کہا، نہیں چچا علی! میں یہ نہیں کہتا کہ کالی مرچ اور دارچینی تنہا کھائے جائیں بلکہ یہ کہا تھا کہ یہ چیزیں ہماری خوراک کا حصہ ہیں۔ میں خود مکان بنانے کا کاریگر ہوں اور نہیں چاہتا کہ لوطی انتری بنوں لیکن اگر مجھے مکان بناتے وقت اوزار میسر نہ ہوں تو جلد تھک جاؤں گا اسی طرح جیسا کہ تم سمجھتے ہو لوطی انتری کا کام اتنا بے فائدہ اور بے مقصد بھی نہیں ہے۔ یہی لوطی انتری لوگوں کو کئی باتیں سکھا سکتا ہے؟ کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ لوطی انتری ایک پپٹو سے مزاح کر رہا تھا اور چھوٹے قد والے شخص کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور اسی طرح۔۔۔

چچا علی نے کہا، ایسی تمام باتیں بے اثر ہوتی ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص ایسے ہنسی مذاق سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ شاید تم خود ہی تسلیم کرو گے کہ دنیا کے بڑے لوگ حکیم اور قانون دان ہیں لیکن ان میں سے کسی نے شعبدہ بازی سے کام نہیں لیا اگر ہنسی مذاق سے لوگوں کو راہِ ہدایت پر لے جانے میں مصلحت ہوتی ہے تو پیغمبر بھی یہی طریقہ اختیار کرتے۔

شاید تم اس بات کو تسلیم نہ کرو گے کہ یہی لوگ جو شادی کی رسومات کے بعد اپنے گھروں کو جا رہے ہیں ان کے سامنے جاؤ اور ان کا رستہ روک کر دریافت کرو کہ انہیں کون کون سی باتیں یاد ہیں؟ پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ انہیں تو صرف لوطی انتری کے شاگرد کا رقص یاد ہے یا پھر اس کی ہنسی مذاق کی باتیں۔ اگر ہنسی مذاق سے لوگوں کو خوش بخت بنایا جاتا یا ان کے ذہن میں کوئی نیکی کی بات ڈالی جا سکتی ہے تو حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) بھی یہی کام کرتے۔

ماموں علی نے کہا، خوب دُرست ہے لیکن میں بھی دیوار بنانے اور اینٹیں لگاتے وقت گانا گاتا ہوں اگر ایسا نہ کروں تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔

چچا علی نے کہا، گانا ضرور گاؤ! لیکن دیوار تمہارے گانے سے تعمیر نہیں ہو سکتی وہ تو اینٹوں سے بنے گی۔ اگر گانا نہ گاؤ گے تو اپنے کام کے نتیجہ سے زیادہ لطف اُٹھاؤ گے۔ اگر صرف گانا گاتے رہو گے تو دیوار نہ بن سکے گی اور اسی گانے سے تمہارا گلا گھٹ جائے گا۔

چچا علی نے کہا، بہت بہتر! لیکن تو نے کہا تھا کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں شادی کی تقریب ہوتی اور ہر جگہ لوطی انتری موجود ہوتا۔ ہاں! ہماری گفتگو کا آغاز یہیں سے ہوا تھا، گویا اب ہم ایک دوسرے کے نزدیک آ رہے ہیں۔ دیکھو میرے عزیز! تو اینٹ کے اوپر اینٹ رکھتا ہے لیکن تمہارا دماغ بیکار ہے۔ تو شعر بھی گنگنا سکتا ہے لیکن جس انجینئر نے عمارت کا نقشہ بنایا ہے اس نے چھوٹے سے ذرّے اور مثقال کا حساب کیا ہے اور تخمینہ بھی لگایا ہے اسی طرح جو معمار تمہارے کام کی نگرانی کرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی اوزار بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی تجھ سے زیادہ خوش و خرم ہے اور بہتر زندگی گزار رہا ہے بلکہ لوگوں کا پسندیدہ بھی ہے اور اپنے کام سے وہ خود بھی مطمئن ہے۔ اگر شادی کی اس تقریب میں انجینئر اور معمار بھی موجود ہوتے تو لوطی انتری کے کام سے متاثر نہ ہوتے جس طرح استاد دبیر علی نہیں ہوا۔ اسلئے ہمارے لئے باعث افسوس ہے کہ ہمارے بچے ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور تمہاری طرح دبیر علی سے مزاح کرتے ہیں۔

ماموں علی نے کہا، ایسا نہ کہو! میں بھی عیالدار ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جب میرا بیٹا مدرسہ سے لوٹتا ہے تو ایسا خوش ہوتا ہے گویا شادی کی تقریب سے لوٹا ہے۔ میں ابھی استاد دبیر علی کی خدمت میں جاتا ہوں اور اس سے معافی مانگتا ہوں۔

چچا علی نے کہا، تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس سے معافی مانگو، اس لئے کہ وہ ایسی باتوں سے بے نیاز ہے اور اس کے دل میں تمہاری باتوں کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

ماموں علی نے کہا، میں نے بھی کوئی بری بات نہیں کہی تھی بہر حال اب چاہتا ہوں کہ ان سے کہوں کہ............

اس وقت جو شخص چچا علی اور ماموں علی کی باتیں سن رہا تھا اس پر غنودگی طاری ہوگئی اور اُٹھ کر چلا گیا اسلئے انکی باقی باتیں نہ سن سکا۔

آزادی اور آزادگی

عباسی خلیفہ کو نئی نئی مسند خلافت ملی تھی اسے اطلاع دی گئی کہ بعض سرکشوں نے نافرمانی کی ہے وہ ایک طرف تو ان کی سرکوبی میں مصروف ہوگیا اور دوسری طرف دوستوں ، بزرگوں اور رشتہ داروں کو تحفے تحائف دینے لگا اور ان پر خصوصی مہربانیوں کے دروازے کھول دیئے۔

خلیفہ نے ظالموں کو ختم کرنے اور مظلوموں کی دادرسی کیلئے کمر باندھ لی تاکہ اپنی حکومت مضبوط کرے۔خلیفہ نے شیخ فارسی کو بھی تحائف بھیجے تھے جو دارالحکومت سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔شیخ کے کئی مرید اور عقیدت مند تھے اس نے درس وتدریس کیلئے ایک مدرسہ قائم کررکھا تھا جہاں کئی طالب علم شب وروز علم حاصل کرتے تھے۔

شیخ فارسی نے اپنے زہد وتقویٰ میں عام وخاص میں بے حد مقبول تھا اور کسی سے بے وجہ ہدیہ قبول نہ کرتا تھا اس لئے خلیفہ کا ہدیہ بھی قبول نہ کیا اور دل میں کہا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کا کوئی مقصد ہوگا اسلئے ہدیہ لانے والے سے کہا ہمارے کام کی بنیاد ہدیہ لینا نہیں ہے۔

جب خلیفہ کو اطلاع ملی تو کہنے لگا ہاں! شیخ فارسی کو حق حاصل ہے،شاید مدرسہ کے اخراجات پورے ہو رہے ہوں گے اور اس کی اپنی گزربسر بھی ہو رہی ہوگی۔

خلیفہ نے دوسری مرتبہ بھی ہدیہ بھیجا اور کہلا بھیجا ، ہمارا ایک کام یہ ہے کہ دور ونزدیک کے رہنے والوں پر احسان کریں نیز میرا کوئی خاص مقصد نہیں ہے۔

شیخ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں تمہارا مشکور ہوں لیکن مجھے خرچ کیلئے کسی رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ مدرسہ کے اخراجات اوقاف کی آمدن سے پورے ہو رہے ہیں اسلئے بہتر ہوگا کہ کوئی جائز مستحق تلاش کریں تاکہ خلیفہ کا انعام اسے دیا جائے یا دیگر ضروری اخراجات پورے کئے جائیں۔

اس مرتبہ خلیفہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ شخص خلیفہ کا ہدیہ کس لئے قبول نہیں کرتا ممکن ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہو؟

شیخ کو ایک مرتبہ پھر کسی بہانے سے رقم بھیجی گئی لیکن شیخ نے نہایت خوش روی سے ہدیہ اور رقم واپس کردی اور کہا چونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اسلئے یہ اِسراف ہوگا اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ خلیفہ ایسا اسراف کرے۔میں خلیفہ کی مہربانی کا ممنون ہوں لیکن مدرسہ کے اخراجات پورے ہو رہے ہیں اور مجھے بھی وہاں سے تنخواہ ملتی ہے۔اگر مجھے تنخواہ نہ ملتی تو گھر بیٹھ جاتا اور بیکار رہتا پھر مجھے بزرگوں کی امداد کی ضرورت ہوتی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر خلیفہ سوچنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا معاملہ ضرور ہے کہ شیخ فارسی ہم سے کنارہ کشی کرنا چاہتا ہے اگرچہ اس کا ہمارے دشمنوں سے کوئی رابطہ نہیں ہے لیکن خلیفہ بننے پر اس نے مجھے مبارک نہیں دی اگر وہ ہم سے بیزار نہیں ہے تو ہدیہ کس لئے قبول نہیں کرتا؟

دوستوں اور مشیروں نے خلیفہ سے کہا، شیخ فارسی صرف درس و تدریس میں مصروف رہتا ہے وہ نہایت متقی اور پرہیزگار ہے اسے کسی شخص سے لالچ نہیں ہے اس کا کام صرف درس و تدریس ہے اور اپنی اسی ذمہ داری میں اللہ تعالیٰ کی خوشی تلاش کرتا ہے اور کسی کیلئے رُکاوٹ نہیں بنتا۔ لیکن خلیفہ کہتا تھا جب ہم کسی سے توقع نہیں رکھتے تو شیخ کا ہدیہ قبول نہ کرنا خلافت کی توہین ہے یہ دُرست ہے کہ اس کی ہمارے دشمنوں سے راہ و رسم نہیں ہے لیکن دوست بن کر رہنا تو عمدہ بات ہے۔

خلیفہ کا ایک غلام نہایت عقلمند، سمجھدار، تربیت یافتہ اور خوش بیان تھا۔ خلیفہ نے اسے بے حد مہنگے داموں خریدا تھا اسلئے اسے خلیفہ کے ہاں بڑی عزت و توقیر حاصل تھی۔

خلیفہ نے اپنے غلام کو بلایا اور اسے اشرفیوں کی تھیلی دے کر کہا، اے غلام! میں جانتا ہوں کہ تمہارے لئے غلامی کی زندگی بڑی سخت ہے اور تمہارے دل میں آزادی اور بزرگوں کی بے اندازہ قدر و قیمت اور حسرت ہے۔ میں نے عہد کیا ہے کہ اگر آج تم ایک اہم کام انجام دو تو تجھے آزاد کر دونگا اور تجھے سردار اور سرفراز بنا لوں گا۔

غلام نے کہا، مجھے اُمید ہے کہ میں یہ کام انجام دے دوں گا۔

خلیفہ نے کہا، فلاں نام کا ایک بزرگ فلاں علاقہ میں رہتا ہے جو ہمارا بدخواہ نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں اس سے کوئی خطرہ ہے۔ اگر وہ ہمارا ممنون بن جائے تو بہتر ہوگا چونکہ وہ کسی سے ہدیہ قبول نہیں کرتا اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اپنی خوش بیان سے کام لیتے ہوئے شیخ کو ہمارا ہدیہ لینے پر مجبور کرو اس کے علاوہ میں شیخ سے کوئی عہد و پیمان نہیں لینا چاہتا۔ نیز تمہاری آزادی اسی کام میں گروی ہے تاکہ معلوم ہو کہ تم اپنی شیریں بیانی اور حسن کلامی سے کیسے کام لیتے ہو۔

غلام نے تھیلی اُٹھائی اور شاہی گھوڑے پر سوار ہو کر شیخ کے علاقہ کی طرف چل پڑا۔ جب رات ہوئی تو شیخ کے گھر پہنچ گیا۔ غلام نے اپنے ہنر سے کام لیتے ہوئے بات شروع کی اور آیتیں، حدیثیں، تاریخ اور واقعات بیان کئے اور شیخ سے بحث و تکرار کرتے ہوئے کئی سوال و جواب کئے۔

شیخ نے بھی برہان اور دلیل سے عذر و بہانے کئے اور خلیفہ کا شکریہ ادا کرنے لگا لیکن ہدیہ قبول نہ کیا۔ غلام کو جب اپنی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو عاجزی اور انکساری اختیار کرتے ہوئے کہا، اے خواجہ! سچائی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم یہ ہدیہ قبول کرلو تو مجھے آزادی مل سکتی ہے ورنہ اسی طرح غلامی کی زندگی بسر کرتا رہوں گا۔ خلیفہ تم سے کوئی وعدہ نہیں لینا چاہتا۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس کے دل میں وسوسہ ہے کہ تم یہ ہدیہ قبول کرلو۔

ہاں! اس میں کیا نقصان ہے کہ تم یہ ہدیہ لے کر غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردو تاکہ خلیفہ کی شرط اور خواہش بھی پوری ہو اور مجھے بھی آزادی نصیب ہو، حالانکہ اس ماجرا کا کسی دوسرے کو علم نہیں ہے۔

شیخ نے کہا آزادی کا تعلق آزادگی میں ہے۔ اس واقعہ کا کسی کو علم ہے یا نہیں ہے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حقیقی خوشی یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ سے راضی رہے۔ میرا خلیفہ سے کوئی مطالبہ نہیں ہے اور نہ ہی خلیفہ میرا مقروض ہے اگر میں نے کسی سے بغیر دلیل ہدیہ لے لیا تو اپنے آپ کو پرہیزگار نہ سمجھوں گا حالانکہ سب لوگ مجھے پرہیزگار ہی خیال کرتے ہیں اگر میں تمہاری خواہش کے مطابق ہدیہ لے لوں اور تمہیں آزادی بھی مل جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے گلے میں خلیفہ کی غلامی کا طوق پہن لوں تاکہ یہ معاملہ میرے لئے بدبختی کا سرمایہ بن جائے۔

اے جوان! میں تسلیم کرتا ہوں کہ تو اپنی غلامی پر راضی نہیں ہے اور آزادی کا طلبگار ہے اسی طرح اگر میں اپنی مرضی سے غلامی اختیار کرلوں تو کیا تم اس بات پر راضی ہوگے؟

غلام نے کہا، ہرگز نہیں۔ ہاں! اب میں جاتا ہوں اور اشرفیاں بھی واپس لے جاتا ہوں۔ اب جبکہ آپ آزادگی کو اس قدر پسند کرتے ہیں تو یقین رکھو کہ میں بھی اپنی عمدہ باتوں سے خلیفہ کا دل نرم کردوں گا اور وہ تمہارے متعلق اچھی رائے قائم کرے گا۔

خواجہ نے کہا، ہاں! تھیلی لیجاؤ اور جو بہتر سمجھتے ہو وہی کرو، چونکہ خلیفہ تمہاری آزادی کی فکر میں ہے اسلئے میں بھی دعا کرتا ہوں تاکہ جس طرح بھی ہو تمہیں آزاد کردے۔ غلام نے اشرفیاں اُٹھالیں اور چل پڑا اور رستہ میں سوچنے لگا، یہ خواجہ بھی کتنا بڑا بزرگ ہے کہ اپنی آزادی اور آزادگی کے عوض دوروں کا احسان نہیں اُٹھاتا۔ لیکن شیخ نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ تھیلی اُٹھالوں اور جونسا کام بہتر سمجھوں وہی کروں۔ اب میں خلیفہ کو بھی تسلی دے سکتا ہوں اور شیخ فارسی کو بھی خلیفہ کی نظروں میں عزیز و محترم بنا سکتا ہوں اور اشرفیوں کی تھیلی جو کار خیر کیلئے مجھے دی گئی ہے ذخیرہ کرلوں گا اس لئے کہ میری آزادی کا دارومدار اسی تھیلی پر ہے۔ ہاں! میں نے شیخ سے جو درس حاصل کیا ہے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ چنانچہ خلیفہ شیخ فارسی سے شرمندگی برداشت نہیں کرسکتا بلکہ اس کی دوستی چاہتا ہے جو اسے حاصل ہوجائے گی نیز میں بھی آزادی چاہتا ہوں جو عنقریب مجھے مل جائے گی۔ غلام نے سوچا کہ میں تھیلی چھپادوں گا اور خلیفہ سے کہوں گا کہ میں نے اپنی ذِمہ داری پوری کردی ہے۔ اگر میں نے حقیقت بیان کردی تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ خلیفہ میرا عذر قبول نہ کرے اور آزردہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگی اور بزرگواری شیخ فارسی کے شایانِ شان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مقام انسانی مقام سے بالاتر ہے۔ اسکے باوجود وہ اپنے آپ کو خلیفہ کا دوست اور خیر خواہ سمجھتا ہے اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

غلام جب واپس پہنچا تو عرض کیا، اے خلیفہ! میری زبان میں جتنا ہنر تھا میں نے اس سے کام لیا ہے لیکن شیخ نے کہا ہے کہ یہ تھیلی کسی مستحق کو دیجائے چنانچہ میں نے بھی اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اب خلیفہ کو تجھ سے کوئی سروکار نہ ہوگا اور تجھ سے کوئی فرمائش نہ کرے گا یہاں تک کہ تجھ سے ملنے، کسی پیغام یا بات چیت کی خواہش بھی نہ کرے گا۔ بہرحال اے خلیفہ! میں اپنے مقصد میں کامیاب لوٹا ہوں اور شیخ نے بھی میری آزادی کی دعا کی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ میں نے شیخ سے جو وعدہ کیا ہے اس میں کوئی برائی تو نہیں ہے؟

خلیفہ نے کہا، میں نے تمہاری کوئی برائی نہیں دیکھی اور نہ ہی اب کوئی برائی کی ہے بلکہ تمہارے کام سے آسودہ خاطر ہوا ہوں۔ اب تم بھی تسلی رکھو۔ اس لئے کہ ہماری شرط آزادی تھی۔ میں اسی وقت تمہیں آزاد کرتا ہوں اور فلاں علاقہ کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس علاقہ کے لوگ تمہارے ماتحت راضی اور خوش رہیں گے۔

غلام نے خلیفہ کو دعائیں دیں اور خلیفہ کی تعریف کی لیکن دل ہی دل میں اپنے جھوٹ سے شرمندہ تھا۔ کبھی کہتا خلیفہ اور شیخ نے میری دُرست کاری اور یک دلی پر اعتماد کیا ہے لیکن میں نے دونوں سے خیانت کی ہے پھر کہتا ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا بدخواہ نہیں ہے اور میں نے جو کچھ کیا ہے اسی میں مصلحت تھی۔ خلیفہ کو شیخ سے کوئی توقع نہ تھی لیکن اب آسودہ خاطر ہو گیا ہے شیخ بھی بدستور اپنے کام میں مشغول ہے نہ تو ہدیہ قبول کیا اور نہ ہی خلیفہ سے کوئی وعدہ کیا۔ جب دونوں جانب کوئی شرمندگی اور غلامی نہیں ہے تو میں کیسے شرمندہ ہوں۔ لیکن غلام کے دل میں پھر وسوسے آنے لگے کہ شیخ فارسی تو خلیفہ کی نظروں میں بزرگ تھا لیکن میں نے اسے حقیر بنا دیا ہے اور خود ہی جواب دینے لگا شیخ اپنی نظر میں حقیر نہیں ہے اور اسکی بزرگواری میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی۔

غلام مقررہ علاقہ کا حکم بن گیا اور جاتے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، مجھے معلوم نہیں آپکی دعا کا اثر تھا یا دیگر کوئی وجہ تھی کہ خلیفہ نے مجھے آزاد کر دیا ہے بلکہ فلاں علاقہ کا حاکم بھی بنا دیا ہے۔ بہرحال مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ آپ آزادی اور آزادگی کو کتنا بزرگ سمجھتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے آپ کا سبق کبھی نہ بھولوں گا۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے اور آزاد شدہ غلام اس علاقہ سے دوسرے علاقہ میں بھیجا گیا۔ اتفاقاً ایک سال علاقہ میں بدامنی پیدا ہوگئی اور ہر طرف لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوگیا۔ غلام نے اپنی ہر ممکن صلاحیت سے امن وامان قائم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگیا لیکن بدقسمتی سے شیخ فارسی ڈاکوؤں کے ہاتھ گرفتار اور قید ہوگیا۔ جب غلام کو شیخ کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو علاقہ میں اپنا نائب مقرر کر کے اشرفیوں کی تھیلی لی اور تن تنہا ڈاکوؤں کی تلاش میں چل پڑا۔ ڈاکوؤں کے سردار کو اطلاع ملی کہ ایک شخص تن تنہا اور بغیر دفاع ہمارے دشمنوں کی جانب سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ میں سردار کے نام ایک اہم پیغام لایا ہوں اور صرف سردار سے ہی ملنا چاہتا ہوں۔

سردار نے کہا، اسے بلایا جائے۔

غلام نے کہا، جنگ اور لوٹ مار الگ کام ہے لیکن دوستی اور دشمنی دوسرا کام ہے مجھ پر ایک قرض کا بوجھ ہے جسے اُتارنے کیلئے بے تاب ہوں۔ غلام نے شیخ اور خلیفہ کی داستان تفصیل سے بیان کی اور کہا یہ اشرفیوں کی تھیلی ہے جس کی بدولت میں آزاد ہوا ہوں اور اس نام اور نشانی کا شیخ تمہاری قید میں ہے جو غلامی سے سخت بیزار ہے اور جتنا تم تصوّر کرتے ہو اس سے بھی زیادہ بے آزار ہے اگر تمہیں جوانمردی اور آزادگی کی سمجھ ہے تو اس اشرفیوں کی تھیلی کے عوض اسے آزاد کردو۔ اگر تم اس کا مطلب نہیں سمجھتے تو میں اس کی آزادی اپنی قید کے بدلے خریدنے کیلئے تیار ہوں تاکہ ایک عرصہ کی شرمندگی سے آسودہ خاطر ہوسکوں۔

ڈاکوؤں کا سردار غلام کی باتوں سے متاثر ہوا اور کہنے لگا، تمہاری باتوں سے صداقت کی بُو آرہی ہے۔ میں بھی کسی غلام اور شیخ سے کم نہیں ہوں اس لئے شیخ کو آزاد کرتا ہوں تاکہ ایسا بزرگ اور آزاد منش قید میں نہ رہے۔ نیز تجھ سے بھی ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے اس لئے کہ تم جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہو بلکہ قرض کی ادائیگی کیلئے آئے ہو۔ میں یہ تھیلی قبول کرتا ہوں اس لئے کہ شیخ اور خلیفہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔

غلام نے اپنا قرض ادا کردیا تھا اور شیخ فارسی کے ہمراہ لوٹ آیا تھا۔ جب غلام نے واپس آکر تمام واقعہ خلیفہ سے بیان کیا تو خلیفہ نے اسے دوست اور دشمن کے درمیان پیغام رسانی پر مقرر کردیا۔ اس نے اپنے فرائض ایسے احسن طریقے سے انجام دیئے کہ اس کے ہاتھوں سے کافی عرصہ تک صلح وسلامتی کی راہیں کھلتی رہیں۔

تجربہ کیلئے سفر

پرانے زمانے کا واقعہ ہے کہ والد بھی خوش تھا اور والدہ بھی خوشی تھی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی لڑکیوں کے بعد ایک لڑکا عطا کیا تھا لڑکے کا نام اسکندر رکھا گیا لیکن گھر والے اسے پیار سے 'اسی' کہتے تھے۔

اس غریب اور مسکین شخص کی کوچہ اور محلّہ میں جتنی بھی جان پہچان تھی سب سے قرض لیا تا کہ بچہ پروان چڑھے اور ماں نے ہر ممکن کوشش سے بچے کے آرام و آسائش کے وسائل مہیا کئے۔ والد اور والدہ دونوں ان پڑھ تھے اور شہر کے نزدیک نئی آبادی میں نہایت عزت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ والد مستری تھا جو مکانات تعمیر کرتا تھا اور والدہ خانہ داری میں لگی رہتی تھی۔

جب اسکندر پیدا ہوا تھا تو والدہ نے اپنی لڑکیوں سے کہا کہ بچے کی دیکھ بھال میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اور نہ ہی مجھے یہ بچہ روتا ہوا دِکھائی دے اور اس شخص پر افسوس ہوگا جو میرے بیٹے کا بدخواہ ہو۔

بہنیں اپنے بھائی کی دیکھ بھال میں لگ گئیں اور سب گھر والے کہنے لگے لڑکا لڑکا ہی ہوتا ہے جو چینی اور شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہنوں کی خواہش پوری کردی تھی اور انہیں بھائی مل گیا تھا۔ جب تک بچہ شیر خوار رہا اپنی ماں اور بہنوں کی بغل میں وقت بسر کرتا رہا بلکہ اسے بغل میں اُٹھانے کی ایسی عادت ہوگئی تھی کہ جونہی اسے بستر پر لٹایا جاتا اگر سویا ہوا نہ ہوتا تو اس کے رونے کی آوازیں آسمان پر پہنچ جاتی تھیں اگر اتفاق سے اسی حالت میں اسکا باپ گھر پر موجود ہوتا تو قیامت برپا ہو جاتی وہ کہتا کسی شخص کو بچے کی کوئی فکر نہیں ہے؟ دیکھو! میرے شمشاد جیسے بیٹے کو کس طرح رُلا رہے ہو؟ میرے بیٹے کے کرتے پر یہ کیسا داغ لگ گیا ہے؟ یہ مچھر کہاں سے آیا ہے؟ جس نے اس کے رُخسار کو کاٹ کھایا ہے؟

دو سال کے بعد بچے نے اپنی خوراک کھانا شروع کردی۔ گھر میں ہر چیز میسر نہ آتی تھی لیکن جو چیز میسر ہوتی والد کے گل ناز اور شاخ شمشاد کیلئے حاضر کردی جاتی۔ والدہ اس کا عمدہ لباس تیار کرتی اور اسے خوب کھلاتی پلاتی تھی۔ بہنیں ہر وقت بھائی پر فدا رہتیں اور اسے بہلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی تھیں۔ قصہ مختصر! بچہ کو اتنا کھلایا پلایا جاتا کہ اکثر و بیشتر بیمار رہنے لگا۔ جب طبیب اسے پرہیز بتاتا تو بچہ شور و غل کرتا اور باپ کہتا، بچے کو زیادہ سے زیادہ کھلایا جائے تا کہ جلد جوان ہو۔

ماں کہتی اس کا رونا خوراک کی کمی کی وجہ سے ہے۔

اب بچہ بڑا ہونے لگا لیکن کوئی شخص اسے اتنا بھی کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ اس کی آنکھوں کے اوپر بھنویں ہیں، اس کے سامنے جو چیز ہوتی اسے کھینچتا، گراتا اور توڑتا رہتا اور شور و غل کرتا رہتا تھا۔ اس کی حرکتوں سے گھر والے اور ہمسائے بھی پریشان رہنے لگے لیکن کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کی طبیعت کے خلاف کچھ کرتا بلکہ اس کیلئے کوئی چیز ممنوع نہ تھی۔

جب وہ ہمسایوں کے بچوں سے جھگڑتا تو اس کے والدین جنگی مرغوں کی طرح ہمسایوں کے سروں پر جا پہنچتے اور کہتے تم ہمارے بچے کو دیکھنا نہیں چاہتے۔

ہمسائے کہتے آخر ہمارے بھی بچے ہیں لیکن تم نے تو اپنے بچے کو کھلا چھوڑ رکھا ہے اسے کچھ سکھاؤ پڑھاؤ۔ سوائے دنگا فساد کے اس کا کوئی کام نہیں ہے۔ اس کی تربیت کرو، ورنہ کل خود تمہارے لئے زحمت کا باعث بن جائے گا!

والدین کہتے اس کا تعلق تم سے نہیں ہے کہ ہم اسے سکھائیں پڑھائیں، جب بڑا ہوگا سب باتیں سمجھ جائے گا۔ ابھی بچہ ہے اگر ابھی سے لکھنے پڑھنے میں لگ گیا تو اس کا دماغ جل جائے گا اور ذہن اندھا ہو جائے گا۔

ہمسایوں نے کہا، تمہیں شبہ ہوا ہے بچے کی بچپن ہی سے قدم بہ قدم تربیت کرنی چاہئے اور ضروری ہے کہ بچہ 'نہ' کے معنی سمجھ لے، اسے اپنے اور دوسروں کے مال کی پہچان ہو، وگرنہ اس کا مستقبل نہ سنور سکے گا۔ تم نے تو اپنے بچے کو اتنا بھی نہیں سمجھایا کہ آدھی رات کو شور و غل نہیں کیا جاتا۔ تم نے اپنے بچے کو کبھی منع نہیں کیا کہ لوگوں کے گھروں کے شیشے توڑنے میں کتنی خرابی ہوتی ہے ممکن ہے اس سے کسی کی موت واقع ہو جائے۔ تم تو صرف اس کا شکم بھرنے کی فکر میں لگے رہتے ہو۔ صرف یہی کافی نہیں ہے ایسی محبت تو جانور بھی اپنے بچوں سے کرتا ہے لیکن بچوں کیلئے ضروری ہے کہ تین چار سال کی عمر میں 'ہاں' اور 'نہ' کا مطلب سمجھ لے۔

والدین نے کہا، ہمارا 'اسی' 'نہ' کو نہیں سمجھتا اس کا دل جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور بس۔ والدین کے علاوہ بچے کی عادات کوئی شخص پسند نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بچہ پرلے درجے کا ضدی بن گیا۔

اب بچہ بڑا ہونے لگا تھا اور گلی کوچوں میں آنے جانے کا رستہ یاد کر لیا تھا جب بھی اس کا دل چاہتا کھیل کود کیلئے نکل جاتا اس لئے کہ اسے روکنے والا کوئی نہ تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کی خواہش اور سمجھ ہی دُرست ہے۔

اس کوچے میں دوسرے بھی کئی لڑکے موجود تھے لیکن 'اسی' کے بغیر کوئی بچہ دوسروں کے دروازہ پر دستک دے کر نہ بھاگتا تھا اور نہ ہی اسی کے بغیر کوئی بچہ دروازہ میں لگے ہوئے قفل میں مٹی ڈالتا تھا بلکہ اس پر کسی نصیحت یا ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا محلے کے سب بچے اسی سے کتراتے تھے بلکہ اسے اپنے ہمراہ کھیل میں شامل کرنے سے بھی گریز کرتے تھے۔

ایک دن محلے کے ایک بچے نے کہا، آج کے بعد ہم اسی کے ہمراہ نہیں کھیلیں گے یہ سنتے ہی اسی ناراض ہو گیا اور اسے مارنے پیٹنے لگا ان کے والدین بھی آ گئے اور بات بڑھنے لگی اور اسی کے والدین سے کہنے لگے تمہارا بیٹا نہایت ہی بے تربیت ہے۔ تمہاری لڑکیاں تو بڑی سمجھدار ہیں لیکن لڑکے کی تربیت پر کیوں توجہ نہیں دیتے؟ کل یہی لڑکا تمہاری بدبختی کا سبب بن جائے گا۔

اسی کے والدین کہنے لگے، بدبخت تو تم خود ہو اور تمہارے باپ دادا بے تربیت ہوں گے یہ بچے ہیں اور کھیلتے ہیں۔

انہوں نے کہا، آخر کھیل کا بھی قاعدہ اور قانون ہوتا ہے۔ لیکن تمہارا بچہ کچھ نہیں سمجھتا اور چاہتا ہے کہ زبردستی اپنی بات منوائے۔ اس نے ایسی بری عادات اپنالی ہیں کہ کل جب جوان ہوگا تو کسی قانون کی پرواہ نہیں کریگا اور ہر وقت دوسروں سے اُلجھتا رہے گا۔

اسی کے والدین نے کہا، ہمارا بچہ بے وجہ کسی سے نہیں لڑتا۔ ہاں! تم بھی اپنے بچوں کو طاقتور اور زور آور بناؤ تاکہ کسی سے مار نہ کھائیں۔ انہوں نے کہا، یہ بدزبانی پر اُتر آتا ہے اور گالی گلوچ سے بھی گریز نہیں کرتا۔ والدین نے کہا، خوب! جب اسے مارا پیٹا جاتا ہے تو بدزبانی بھی کرتا ہوگا بچہ ہے اس لئے کسی کی بات برداشت نہیں کرتا۔

اسی جوان ہو رہا تھا لیکن اس کے والدین بدستور کہتے تھے، ابھی بچہ ہے۔ اسے مدرسہ بھیجا گیا اور جب اس کی شکایت گھر آنے لگی تو والدین پھر بھی کہنے لگے کہ بچہ ہے۔ وہ جونہی مدرسہ سے لوٹتا تو کتابیں ایک طرف پھینک دیتا اور کھیل کود کیلئے گلی کوچوں میں نکل جاتا کسی نے اسے پڑھتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا بلکہ امتحان میں اس کے فیل ہونے سے کسی کو تعجب بھی نہ ہوا۔ چند سالوں کے بعد اس نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ چونکہ اس کے والدین خود بھی تعلیم سے بے بہرہ تھے اس لئے انہوں نے بھی کوئی تردد نہ کیا۔ لڑکے نے سمجھا اب بہتر ہوگیا ہے اس لئے زور آزمائی میں لگ گیا۔

والدین بھی خوش تھے کہ لڑکا خوب کھاتا پیتا اور پہنتا ہے اس لئے کوئی بچہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن چند لوگوں نے اسی کے والدین سے کہا اگر اسی اسی طرح بے ہنر رہا تو تمہاری غربت میں اِضافہ ہوجائے گا اس لئے اسے اپنے ہمراہ کام پر لے جایا کرو لیکن اس کی والدہ نے مخالفت کی اور کہا، میرے بیٹے سے اینٹوں جیسا مشکل کام نہیں ہوسکے گا اس لئے کچھ عرصہ انتظار کرو تاکہ مزید طاقتور بن جائے۔

ایک مرتبہ تو ایسا اتفاق ہوا کہ اسی نے کئی دِن لڑکوں سے لڑائی جھگڑا کیا بلکہ ایک دن تو چاقو سے اپنے ساتھی کو زخمی کردیا تھا۔ جب اس کی شکایت لائی گئی تو اسی کی والدہ، خالہ اور چچی نے زخمی لڑکے کی عیادت کی اور درخواست کی کہ اس واقعہ کا اسی کے والد کو علم نہ ہونے پائے۔

دوسرے دن کوچے کے کریانہ کی دوکان کے مالک نے اسی کے والد سے شکایت کی تمہارا لڑا سارا دن بیکار لڑکوں کو جمع کر کے شور وغل کرتا ہے لیکن باپ نے اعتراض کیا اور کہا، تم خواہ مخواہ میرے لڑکے کے پیچھے پڑ گئے ہو، حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

تیسرے دن ایک دوسرے کوچے کے لوگ شکایت لے کر اس کے باپ کے پاس آئے کہ اسی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے اگر تم سے کچھ نہیں ہوسکتا تو صاف صاف بتاؤ تاکہ ہم خود اس کا تدارک کریں۔ باپ ابھی ابھی کام سے لوٹا تھا اور تھکا ہارا تھا اس لئے پریشان ہوگیا اور بچے کو ڈانٹ کر کہا، آج کے بعد تمہاری شکایت نہ آنے پائے۔

دوسرے دن صبح ایک پڑوسی نے اسی کے باپ کا رستہ روک لیا اور کہا دیکھو استاد عباس! ہم نے آج تک تمہیں کچھ نہیں کہا۔ تمہارا لڑکا صبح سے شام تک چھت پر موجود ہوتا ہے اور کبوتر اُڑاتا رہتا ہے جس سے ہمیں گھر بیٹھ کر بھی آرام نہیں ملتا ہم نے آج تک تمہیں کچھ نہیں کہا لیکن اب اس کے ہاتھوں سے عاجز ہو گئے ہیں نہ تو یہ ہمارا کہنا مانتا ہے اور نہ ہی کسی کی نصیحت سنتا ہے۔ اگر کل سے اس نے ہمارے گھر پتھر پھینکے یا چھت اور دیواروں پر نظر آیا تو تمہارے لئے ایسی دردسری پیدا کریں گے کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔

باپ نے کچھ نہ کہا۔ وہ تھکا ہارا اور پریشان تھا اور سمجھ گیا تھا کہ ہمسایوں کی باتیں دُرست ہیں وہ چپ چاپ گھر آیا اور بیوی سے کہا، میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ کبوتر بازی اچھا شغل نہیں ہے کیا ہم نے پڑوسیوں سے نہیں کہا تھا کہ اسی اب چھت اور دیواروں پر نہیں جایئگا؟ پڑوسیوں نے اب دوبارہ کیوں شکایت کی ہے؟ میں تو شرم سے زمین میں گڑنے کو تیار ہوں لیکن ان کا سامنا نہیں کرسکتا۔ میں سارا دن کام میں لگا رہتا ہوں اور محنت ومشقت کرتا ہوں تا کہ تمہارا پیٹ بھروں لیکن تم تو اسی کو نہیں سنبھال سکی۔

بیوی نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں ہر روز اسے نصیحت کرتی ہوں لیکن میری ایک بھی نہیں سنتا بلکہ آج بھی میری آوازیں سات گھروں تک پہنچتی رہی ہیں اور جتنے ہی نالے اور فریادیں کیں اس پر میرا زور نہیں چلتا۔ پس تم خود ہی جو کام بہتر سمجھتے ہو وہی کر گزرو۔

باپ سمجھ گیا تھا کہ ہماری تربیت شروع ہی سے غلط تھی اس لئے اب اسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بیوی نے پھر وہی باتیں دُہرائیں اور کہنے لگی، ابھی بچہ ہے اور لاڈلا ہے۔ جب جوان ہوگا تو سمجھدار بن جائے گا۔

مرد نے کہا، تو ہمیشہ ایسی باتیں کرتی ہے، ایسا نہ کرو ہاتھ زخمی ہو جائے گا ایسا نہ کرو گر جاؤ گے، ایسا نہ کرو کپڑے خراب ہو جائیں گے تو نے کبھی یہ بھی کہا ہے کہ اس کام سے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ کبھی اسے یہ بھی کہا ہے کہ جس طرح ہم اپنا آرام چاہتے ہیں دوسروں کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے لئے سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنا بچہ دکھائی دیتا ہے گویا ہم صحرا میں رہ رہے ہیں۔ بہرحال بچے کیلئے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھ لے کہ اگر دوسرے لوگ اس کے ہاتھ سے آسودہ نہ ہوں گے تو وہ خود بھی آرام سے نہ رہ سکے گا۔ میں آج ہی سے اس کے پروگرام میں کچھ تبدیلی چاہتا ہوں اس لئے بہتر ہوگا کہ میرا ساتھ دو میں لوگوں کی باتیں سن سن کر تھک گیا ہوں، اب ہر روز ان کی باتیں نہیں سن سکتا۔

بیوی نے کہا تم جو کچھ کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ مرد نے کہا میں ابھی معاملہ دُرست کرتا ہوں۔ باپ نے اسی کو بلایا اور کہا، دیکھو میرے بیٹے! یہ میری آخری باتیں ہیں۔ میں صبح سے شام تک مزدوری کرتا ہوں تا کہ تم آرام سے رہ سکو۔ لیکن رات کو جب تھکا ہارا گھر لوٹتا ہوں تو لوگوں کی شکایتیں سن کر تنگ آجاتا ہوں اگر آج کے بعد کسی پڑوسی نے تمہاری شکایت کی تو مجھ سے برا

کوئی نہ ہوگا۔ اپنے کبوتر بھی ابھی بازار لے جاؤ اور جو قیمت ملے فروخت کردو اور خالی ہاتھ لوٹ آؤ۔ آج کے بعد دیواروں اور چھت پر تمہارے قدم نہیں جانے چاہئیں۔

لڑکے نے کہا، مجھے کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں نے کبوتر اُڑانے کیلئے رکھے ہیں۔

باپ نے کہا، معلوم ہوتا ہے تم میری باتیں نہیں سمجھ رہے ہو۔ اس نے اپنی کمر سے چمڑے کا کمر بند کھولا اور چاہا کہ اسی کو کمر بند کی زبان سے سمجھائے لیکن لڑکا سمجھ گیا اور گھر سے بھاگ کر گلی کے سرے پر پہنچ گیا۔ باپ نے کمر بند رکھ دیا اور کبوتروں کو کوٹھڑی میں جا کر گیارہ کبوتر پکڑ لئے اور تھیلے میں ڈال کر دروازہ پر آ کر کہنے لگا۔ اسی انہیں اُٹھاؤ اور بیچ آؤ، ورنہ گھر میں ان کا نام ونشان بھی نہ ملے گا۔

لڑکے نے کہا، مجھ سے یہ کام نہ ہوگا۔ مجھے کبوتر بازی کا شوق ہے۔ باپ نے کہا، میں روز روز کی شکایتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ اب مجھے اپنا کام انجام دینا ہوگا۔

باپ نے باورچی خانہ سے چھری اُٹھائی اور تمام کبوتر باغیچہ میں لاکر ذبح کر دیئے اور چار رکابیوں میں دو دو کبوتر رکھ کر اپنے چار ہمسایوں کو بطورِ تحفہ بھیج دیئے اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ کبوتروں کا گوشت بڑا خوش مزہ اور مقوی ہوتا ہے۔ آج کے بعد میرا بیٹا کبوتر بازی نہ کرے گا اور یہ تحفہ تمہاری اس تکلیف کے بدلے ہے جو تم نے اسی کی کبوتر بازی کی وجہ سے برداشت کی ہے۔

اس کے بعد باپ نے آخری تین کبوتر بھی صاف کئے اور بیوی سے کہا، کل رات ان کی یخنی تیار کرنا اور تہیہ کرو کہ معاملہ ختم ہو جائے بیوی نے کہا، تم بہت پریشان ہو لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ ان بیچارے کبوتروں نے کیا گناہ کیا ہے؟

مرد نے کہا، وہی گناہ جو گائیں، دنبے، مرغ اور مچھلیاں کرتے ہیں جنہیں ہم روزانہ کھاتے ہیں لیکن یاد رکھو! اسی کے سامنے ایسا اعتراض ہرگز نہ کرنا۔

لڑکا شام تک گلی میں کھڑا رہا اور جب رات کا کھانا تیار ہوا تو ماں نے بڑی منت سماجت سے اسے بلالیا اور بغیر کچھ کہے سنے سب گھر والے سوگئے۔ صبح کو بھی باپ نے اسی سے کوئی بات نہ کی اور اپنی محنت مزدوری پر چلا گیا۔

آج باپ ایک دوسرے محلہ میں ایسے گھر میں کام کر رہا تھا جن کا مکان ان کے اپنے گھر سے بہتر نہ تھا۔ اس گھر کا مالک چاہتا تھا کہ اپنے مکان کی مرمت اور کچھ دیگر تعمیرات کرائے۔ صبح کو جب مالک مکان کے لڑکے نے استاد عباس کے سامنے دروازہ کھولا تو وہ اس لڑکے اور اپنے بیٹے کا مقابلہ کرنے لگا جو اسی کا ہم عمر اور ہم شکل تھا۔ استاد عباس نے اس گھر میں تیس چالیس دن کام کرنا تھا۔ اس لئے اس بچے کو اپنے لئے نیک فال خیال کیا۔

استاد عباس نے دیکھا کہ اس گھر میں ایک دوسرا لڑکا بھی موجود ہے اس لئے دونوں بھائی اپنا وقت اکٹھے گزارتے ہیں اور تعمیر کا کام نہایت شوق اور دلچسپی سے دیکھتے ہیں یہ دونوں لڑکے استاد عباس اور اس کے شاگرد کیلئے چائے لاتے اور تعمیر کے کام میں ان کی مدد کرتے تھے اور باقی وقت کتابیں پڑھنے لکھنے اور گھر کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ استاد عباس کو پہلی ہی نظر میں ان بچوں کی شکل و شباہت پسند آ گئی تھی۔ اس لئے ان کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور دل میں کہنے لگا، ان لڑکوں اور میرے لڑکے میں کتنا فرق ہے۔ یہ لڑکے کتنے مؤدب، خوش اخلاق اور خوش زبان ہیں۔ اپنے باپ سے کیسی تمیز، عزت اور احترام سے بات کرتے ہیں اور اس کے حکم کی تعمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں بلکہ ہمسایوں کے بچوں سے بھی ادب سے پیش آتے ہیں۔ یہ لڑکے تو مکان کی تعمیر میں استعمال ہونے والے مصالحہ چونا اینٹوں لکڑی اور لوہے کے متعلق بھی معلومات رکھتے ہیں۔

استاد عباس نے پوچھا، تم معمار نہیں ہو لیکن تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہیں؟

انہوں نے جواب دیا، ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔

دونوں لڑکے کافی دیر بیٹھے رہتے۔ کتابیں پڑھتے اور جب تھک جاتے تو کھیل کود میں لگ جاتے تھے۔ اگرچہ استاد عباس پڑھنا لکھنا نہ جانتا تھا اور مطالعہ سے محروم تھا لیکن جب انہیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کی خواہش ہوئی کہ کاش اس کا لڑکا بھی لکھا پڑھا ہوتا جب اسی طرح تین چار دن گزر گئے تو ایک دن اس نے بچوں سے پوچھا کہ تمہارا باپ کیا کام کرتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ معلم ہے۔

استاد عباس کا دل ڈوب گیا اور کہا مجھے معلوم ہے۔

بچوں نے پوچھا، اگر تمہیں معلوم ہے تو پھر کس لئے پوچھتے ہو؟

اس نے کہا، مجھے معلوم نہ تھا لیکن اب اتنا سمجھتا ہوں کہ اس میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے؟ بالکل اسی طرح جیسے تم میں اور میرے بیٹے میں فرق ہے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے تربیت کے راز کا علم نہیں ہے اس لئے اپنے بیٹے کی تمہاری طرح تربیت نہیں کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سبق نہیں پڑھتا، کام نہیں کرتا اور نہ ہی میری باتوں پر توجہ دیتا ہے۔

بچوں نے کہا، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو سدھر جائیگا۔ عصر کے وقت جب استاد عباس اپنے کام سے فارغ ہوا تو اس نے مالک مکان سے خواہش کی کہ کچھ دیر بیٹھ کر اس کی باتیں سنے۔ اس نے اپنے اور بیٹے کے حالات تفصیل سے بتائے اور خواہش ظاہر کی کہ کاش میرا بیٹا بھی تمہارے بیٹوں کی طرح تربیت یافتہ ہوتا اور تعلیم حاصل کرتا۔

گھر کے مالک نے کہا، تربیت تو بچپن ہی سے بلکہ روزِ پیدائش سے شروع ہوتی ہے لیکن تمہیں اپنی ذِمہ داری کا احساس نہایت دیر سے ہوا ہے۔ اسلئے اب تمہارے بیٹے کی تربیت میں زیادہ محنت کی ضرورت ہوگی نیز تمام برائیوں کی بنیاد بیکاری ہے اگر تمہارا لڑکا سبق نہیں پڑھتا تو کم ازکم اسے گلی کوچوں میں پھرنے سے منع کرو اگر کسی دوسرے کا کہا نہیں مانتا تو اسے اپنے ہمراہ کام پر لایا کرو بہرحال میرے بچے بھی اسے پڑھنے پر آمادہ کرینگے اور اسے شوق دلائیں گے کیونکہ بچے ایک دوسرے کی زبان بخوبی سمجھتے ہیں۔

رات کو جب باپ گھر آیا تو اس نے ہر چند کوشش کی کہ کل صبح بیٹے کو اپنے ہمراہ کام پر لے جائے لیکن اس نے ایک بھی نہ سنی بلکہ اسکی ماں کہنے لگی، ایسے بچے کیلئے گارے اور اینٹوں کا کام ممکن نہیں ہے۔ کیا اس کیلئے مکا باز اور پہلوان بننے میں کوئی برائی ہے؟ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا ہم عمروں اور ہم جولیوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہو۔

لڑکے نے کہا، اب میں نے کبوتر بازی ترک کردی ہے اور نہ ہی کسی ہمسائے کو مجھ سے شکایت ہے۔ مجھ سے گارے اور اینٹوں کا کام نہیں ہوسکتا اب جبکہ میں پہلوان بننا چاہتا ہوں تو مجھے اس کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟

باپ نے ہنستے ہوئے کہا، پہلوانی اور مکہ بازی؟ یہ چیزیں کل تمہارے نان نفقہ کا انتظام نہ کرسکیں گی۔

لڑکے نے کہا، آپ کچھ عرصہ صبر کریں۔ میں اسی پہلوانی سے اپنی روٹی حاصل کروں گا۔

باپ نے کہا، میں صبر کرونگا اور دیکھونگا۔ اسلئے کہ میں تو تمہاری خوش بختی چاہتا ہوں لیکن آج میں نے معلم سے بات چیت کی ہے اس نے اپنے بیٹوں کی نہایت محنت سے تربیت کی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہاری تعلیم و تربیت کی ذِمہ داری بھی برداشت کرے۔

لڑکے نے کہا، مجھے کسی تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو پیشہ اختیار کیا ہے، وہی میرے لئے کافی ہے۔

باپ نے مزید کچھ نہ کہا۔

اسی کا معمول تھا کہ صبح سے شام تک گلی کوچوں میں پھرتا رہے گھر میں اس کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ اس کی بہنوں کی رُخصتی ہوچکی تھی۔ اسکے ضعیف ماں باپ کام کرتے تھے تاکہ ان کا بیٹا کھائے پیئے اور اسے کسی بات کا غم نہ ہو۔ لڑکا بھی اپنے دماغ کی پرورش کے بجائے اپنے جسم کی پرورش میں لگا تھا بلکہ اسے گھر میں جو کچھ میسر تھا اسے ناکافی سمجھتا تھا۔ گھر میں اسے عیش وعشرت کے وسائل میسر نہ تھے اور گھر کے باہر اس کے اخلاق کو پسند نہ کیا جاتا تھا۔ ہر جگہ رہنے سہنے کیلئے قاعدہ اور قانون ضروری ہوتا ہے لیکن یہ مغرور لڑکا اس کا پابند نہ تھا اس لئے جب گلی میں نکلتا تو لوگ اپنے دروازے بند کرلیتے جس سے لڑکے کا دل ٹوٹ جاتا لیکن اس نے تو آج تک نہ کے معنی نہ سمجھے تھے بدقسمتی سے ایک دن وہ دوسرے محلّہ کے ایک لڑکے سے جھگڑ پڑا اور اسے ایسے زور سے مکا رسید کیا کہ اس کے سینے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

اب کیا تھا؟ معاملہ کوتوالی تک جا پہنچا اور اسی کی گرفتاری کا حکم جاری ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ آج یا کل گرفتار ہو جائے گا اور کوئی شخص اس کی مدد نہ کرے گا۔ اس لئے رات کو والد سے کہا، میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس شہر سے چلا جاؤں۔

باپ نے پوچھا، کہاں جاؤ گے؟

لڑکے نے کہا، جہاں مجھے قسمت لے جائے گی۔

باپ نے کہا، ایک بیوقوفی اور بھی کر لو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ شہر تمہارے لئے تنگ ہو گیا ہے اور دوسری جگہ تمہیں یہاں سے زیادہ آرام ملے گا تو ایسا کر کے بھی دیکھ لو۔ بہر حال جہاں بھی جاؤ گے، آسمان کا رنگ یہی ہو گا ہر جگہ مکا بازی سے زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔ اگر تم شروع ہی سے میری باتوں............

لڑکے نے باپ کی باتوں کو کاٹتے ہوئے کہا، آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی شخص مجھ سے سفر خرچ مانگنے کی جرأت نہ کرے گا اس لئے مجھے کسی زادِ راہ کی ضرورت نہیں ہے۔

باپ نے کہا، ہاں! اگر تو نے ان لوگوں سے بھی ایسی حرکتیں کیں تو زندگی تجھ پر تنگ ہو جائیگی لیکن میرے بچے! دوسرے شہر میں ہماری کوئی واقفیت نہیں ہے، نہ ہی وہاں کوئی کام ہے اور نہ ہی تم کوئی ہنر جانتے ہو کہ جس کی بدولت محنت مزدوری کر سکو۔ اگر تو نے میری باتوں پر عمل کیا ہوتا اور میرا پیشہ ہی سیکھ لیا ہوتا تو جہاں بھی جاتے تمہیں یہی ہنر کام آتا۔ جو شخص بھی کوئی ہنر جانتا ہے وہ کسی جگہ مسافر نہیں کہلاتا لیکن اس حال میں تجھے کہیں بھی جگہ نہ ملے گی۔ بیٹے نے کہا، میں پہلوان اور مکا باز ہوں کوئی نہ کوئی ڈھونڈ لوں گا۔

باپ نے کہا، شاید تم چاہتے ہو گے کہ جنگل میں حیوانات سے پنجہ آزمائی کرو گے۔ شاید اس لئے کہ ہر وقت اپنے زور اور طاقت کی باتیں کرتے ہو۔ انسان کیلئے ضروری ہے کہ اس دنیا میں کوئی ہنر جانتا ہو جو اس کے کام آئے۔ صرف طاقت اور زور سے پیٹ نہیں بھرا جا سکتا۔ اسی دوران اسی کی والدہ نے روتے ہوئے کہا، میں تمہاری جدائی کسی حالت میں بھی برداشت نہ کر سکوں گی۔ تمہارا باپ سچ کہتا ہے۔ اس شہر میں ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں تجھے ابھی تک زندگی کی پہچان نہیں ہے اور جیسا کہ تم سوچتے ہو مسافری اتنی آسان نہیں ہے۔

لڑکے نے کہا، جدائی اور مسافری؟ یہ کیسی باتیں ہیں تم نے کبھی سفر نہیں کیا اور نہ ہی جانتے ہو کہ اس میں کتنے فائدے ہیں انسان کو سفر میں کئی تجربات حاصل ہوتے ہیں۔

باپ نے کہا، زندگی اور تجربہ؟ تو نے مدرسہ میں زندگی کا سبق نہیں پڑھا۔ تو نے کتاب میں یہ بھی نہیں پڑھا کہ محلّہ اور کوچے میں رہنے والے تجھ سے نالاں ہیں۔ اب چاہتے ہو کہ سفر پر جاؤ اور مسافر کہلاؤ، جبکہ تمہیں کوئی شخص نہیں پہچانتا اور نہ ہی کسی کو تمہارا غم و فکر ہے۔ کیا تم وہی شخص نہیں ہو کہ کوئی لڑکا تمہیں اپنے ہمراہ کھیل میں شامل نہیں کرتا تھا۔ اب سفر پر جا کر کیا کروگے؟ میں تو ابھی سے سمجھتا ہوں کہ سفر میں تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آؤ اور ایک مرتبہ میری باتیں غور سے سنو اور کل سے میرے ہمراہ......

لڑکے نے کہا، جو کچھ بھی ہے میں آج رات سفر پر روانہ ہو جاؤں گا البتہ اتنا کہوں گا کہ میرے جانے سے والدہ پریشان نہ ہو ورنہ بغیر اطلاع چلا جاؤں گا اور نہ ہی مجھ سے ایک دو کرو؟

باپ نے کہا، ایک دو کی بات نہیں ہے البتہ ہمیں بھی کچھ سوچنے دو۔ میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں اور جس طرح تم سمجھتے ہو سفر اتنا آسان نہیں ہوتا۔ سفر تو پانچ قسم کے لوگوں کیلئے سودمند ہوتا ہے لیکن تم میں ان جیسی ایک صفت بھی موجود نہیں ہے۔ پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو مالدار ہوتے ہیں اور سیر و سیاحت کیلئے سفر پر جاتے ہیں اور اپنی دولت کے سہارے کامیاب ہوتے ہیں دوسری قسم کے لوگ کاریگر اور ہنرمند ہوتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تیسری قسم درویشوں اور اللہ والوں کی ہوتی ہے جن کا دل قناعت پسند ہوتا ہے اور شیریں زبان ہوتے ہیں ایسے لوگ زندگی کی سختیاں برداشت کرنے کے اہل ہوتے ہیں جن سے ہر ناواقف بھی دوستی کی رغبت کرتا ہے۔ چوتھی قسم............

لڑکے کیلئے اتنی لمبی چوڑی باتیں سننے کی طاقت نہ رہی اسلئے کہنے لگا، اب معاملہ ان باتوں سے گزر گیا ہے مجھے یہ باتیں معلوم ہیں مجھے جانا ہے اور ہر حال میں جانا ہے۔

باپ نے کہا، تمہیں سختی برداشت کرنی پڑے گی، بھوک کا سامنا بھی کرنا ہوگا اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے ہوں گے۔ میرے خیال میں تم بے ہنری اور بیکاری سے تنگ ہو، اگر کل سے میرے ہمراہ کام پر آؤ تو تمہیں کسی بات کی فکر نہ ہوگی۔

لڑکے نے کہا، میں مزدور نہیں ہوں تمام دن کی محنت مشقت کے بعد بہت کم مزدوری ملتی ہے۔

باپ نے کہا، ہاں! زندگی اسی طرح بسر ہوتی ہے۔ شاید تم چاہتے ہوگے کہ دس تومان کام کرو اور اس کے بدلے تمہیں سو تومان مزدوری دی جائے؟ شروع میں تو مزدوری اتنی ہی ملتی ہے لیکن جب کوئی شخص کام سیکھ لیتا ہے اور محنت سے کام کرتا ہے تو مالک اسے اچھی خاصی مزدوری دیتے ہیں۔

لڑکے نے کہا، بہرحال مجھے سفر پر جانا ہے، میں تم سے کوئی چیز نہیں مانگتا میں جہاں بھی جاؤں گا اپنے زور بازو سے لوگوں کا عزیز بن جاؤں گا۔ اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ والسلام!

لڑکے نے اپنے کپڑے اور کچھ دیگر سامان اُٹھایا اور جانے کیلئے تیار ہوگیا۔ ماں رونے لگی اور اسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے؟ یہ حالت دیکھ کر باپ بھی بیوی سے کہنے لگا، سب تمہارا قصور ہے، اب تمہارا لاڈلا بیٹا کسی کی نصیحت سننے کیلئے تیار نہیں ہے اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ماں نے کہا، میں کیا کرسکتی ہوں اور نہ ہی میرا کوئی اختیار ہے مجھے اپنے بیٹے سے پیار ہے لیکن تم نے ایک مرتبہ بھی مدرسہ جانے کی تکلیف نہیں کی ہے کہ یہ سبق کیوں نہیں پڑھتا اور نہ ہی کبھی اس سے دریافت کیا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ جب یہ بچہ تھا تو اس وقت باپ کیلئے شمشاد کے درخت کی شاخ اور گل ناز تھا اس لئے ہمیں کوئی بات کہنے کی جرأت نہ تھی جب اس نے مدرسہ کو خیر آباد کہہ دیا تو اس کی کوئی فکر نہ کی گئی۔ جب تو نے اس کے کبوتروں کو ذبح کردیا اور کبوتر بازی ختم کردی تو اسے ایک مرتبہ بھی اپنے ہمراہ کام پر نہ لے گئے تاکہ اسے محنت کی عادت ہوتی۔ کیا ہماری بچیاں گھر کا کام کاج نہ کرتی تھیں؟ الحمدللہ اب وہ اپنے گھر والی ہیں ورنہ تمہیں تو شاید انکی فکر بھی نہ ہوتی۔ لیکن تم اس بات کو بھول رہے ہو کہ تم نے ان میں کتنا فرق رکھا ہوا ہے۔ یاالٰہی! میں مرجاؤں، میں نے اپنے بچوں کی کتنی تکلیف دیکھی ہے تم تو خیال کرتے ہو کہ بچیاں انسان کی اولاد نہیں ہیں لیکن میں جو بھی ہوں انکی ماں ہوں اب کہو! اس بے فکری کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

مرد نے کہا، تو سچ کہتی ہے نہ تمہاری غلطی ہے اور نہ ہی میری بلکہ ہم دونوں قصوروار ہیں اسلئے کہ ہم ان کی تربیت سے ناواقف تھے۔ ہم نے استاد نہیں دیکھا اور نہ ہی لکھے پڑھے ہیں۔ تمہیں یاد ہوگا جب اسی نے لڑکے کو زخمی کیا تھا تو اس واقعہ کو مجھ سے چھپائے رکھا اس وقت اس کی کتنی عمر تھی؟ ہمیں سوچنا تھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ جب میں نے معلم کے بچوں کو دیکھا کہ اس کے ہم عمر ہیں اور کتنے مؤدب ہیں تو اسی کو میرے ہمراہ بھیجنے میں کوئی مدد نہ کی۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ بلکہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ بیٹھ کر روتا رہوں۔

جب تک میاں بیوی باتیں کررہے تھے، بیٹے نے اپنا سامان باندھ لیا تھا اور چلا گیا تھا۔ دراصل وہ پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے سے بھاگ رہا تھا لیکن اس کے والدین کو علم نہ تھا۔ دوسرے دن صبح اسی کی تلاش میں سپاہی آئے لیکن اسی نہیں تھا اس کے والدین نے کہا ہمیں تو کل سے اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔

باپ کو کوتوال کے پاس لے گئے لیکن اسے چھوڑ دیا گیا۔ اسی نے رات کو گھر سے نکل کر چند میل کے فاصلے پر ایک قہوہ خانہ میں قیام کیا اور دوسری رات بھی وہیں بسر کی لیکن ساری رات پریشان رہا جب صبح کو روانگی کا اِرادہ کیا تو اس سے رات کے کھانے اور قہوہ خانہ کے قیام کی رقم مانگی گئی۔

اسی نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو کسی کو رقم دیتے ہیں بلکہ تمہیں تو میرا ممنون ہونا چاہئے کہ میرے جیسا آدمی گھٹیا قہوہ خانہ میں ٹھہرا ہے اور سادہ خوراک کھائی ہے۔ قہوہ خانہ کا مالک غریب اور مسکین شخص تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور نہایت پیار سے کہا، ہم کسی کو نہیں جانتے اور اسی قہوہ خانہ کی آمدن سے پیٹ بھرتے ہیں۔

جوان نے کہا، پیٹ بھرو لیکن زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ مجھے سب لوگ جانتے ہیں اور مجھے **اسی مکاباز** کہتے ہیں۔

قہوہ خانہ کے مالک نے کہا، اس میں مجھ غریب کا کیا قصور ہے اگر میرے تمام گاہک مکاباز ہوں تو چند دِنوں میں میرا دیوالیہ ہو جائیگا۔

جوان نے کہا، نہیں سب لوگ مکاباز نہیں ہوتے لیکن میں مکاباز ہوں اور میرے پاس رقم کے بجائے یہی بازو اور مکا ہے۔

قہوہ خانہ کے مالک نے کہا، بہت بہتر! کیا تم اپنی جوانمردی میرے لئے تحفہ لائے ہو؟

صبح کا وقت تھا اور قہوہ خانہ میں آمد و رفت نہ تھی اس لئے قہوہ خانہ کا مالک اپنے اکیلے پن سے سہم گیا، جوان نے بھی اپنے آپ کو فاتح سمجھ لیا اور گٹھڑی اُٹھا کر چل پڑا۔ وہ رستہ میں سوچنے لگا کہ بہت عمدہ جگہ تھی۔ اگر شہر کے نزدیک ہوتی تو چند دن قیام کرتا۔ وہ اسی بے خیالی سے چل رہا تھا اسے منزل پر پہنچنے میں جلدی بھی نہ تھی اور نہ ہی اس کی کوئی منزل تھی۔ بہر حال اس نے چند دن منزل بہ منزل سفر کیا۔ ایک دن اتفاق سے وہ اپنی گٹھڑی سے کوئی چیز تلاش کر رہا تھا کہ اسے رومال میں بندھی ہوئی کچھ رقم دِکھائی دی وہ سمجھ لیا کہ ماں نے اسے میری خاطر رکھا ہوگا تا کہ ضرورت کے وقت اس کے کام آئے۔ تیسرے دن اسے ایک قہوہ خانہ دکھائی دیا اس نے وہاں دو دِن قیام کیا جو بیحد عمدہ جگہ تھی اس لئے قہوہ خانہ کے مالک سے کہا، مجھے اپنے ہم سفر دوست کا انتظار ہے نیز اسے بتایا گیا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر اس سے بھی عمدہ قہوہ خانہ موجود ہے۔ جوان نے جب روانگی کی تیاری کی تو وہی پرانا کھیل آزمانے لگا اور قہوہ خانہ کے مالک سے کہا، میں پہلوان اور مکاباز ہوں اس لئے قیام اور طعام کی رقم دینے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ اتنے میں چند سوار آ گئے جنہیں دیکھ کر جوان سمجھ گیا کہ ہوا مخالف ہے اس لئے رقم ادا کرنے میں اپنی سلامتی سمجھی اور کہا میں تو تمہارا دل اور جرأت دیکھنا چاہتا تھا ورنہ میرا کام تو رَیت کی طرح رقم خرچ کرنا ہے۔ اس لئے معاملہ خیریت سے گزر گیا۔

جب رستہ پر پہنچا تو وہاں سے دو رَستے مختلف سمت کو جا رہے تھے اس لئے شش و پنج میں پڑ گیا کہ کون سا رستہ اختیار کرے؟

اتفاق سے ایک بوڑھا دکھائی دیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون سا رستہ اختیار کرے؟

بوڑھے نے کہا، یہ رستہ سرائے کی طرف جاتا ہے جہاں قافلے قیام کرتے ہیں اور وہاں سے شمال کی طرف جانے کا رستہ لیکن دوسرا رستہ دریا کی طرف جاتا ہے جہاں مغرب کی طرف جانے کی کشتی ملتی ہے۔

جوان نے پوچھا، خوب! مجھے بتائیں کہ سفر کیلئے کون سا رستہ بہتر ہوگا؟

بوڑھے نے کہا، تمہارا سفر کس مقصد کیلئے ہے؟

جوان نے کہا، میں بیکار ہوں اور بے مقصد سفر پر جا رہا ہوں۔

بوڑھے نے کہا، مجھے معلوم نہیں ہے کہ تمہارے لئے کون سا رستہ مناسب ہوگا۔

جوان نے کہا، پس تم بڑے نادان ہو۔

بوڑھے نے جب جوان کو ایسا مغرور اور سرکش دیکھا تو جواب دیا ہاں! میں تمہاری طرح نہیں ہوں تم ماشاء اللہ جوان ہو اور خوش وخرم دکھائی دیتے ہو میری سوچ اور سمجھ تمہاری طرح نہیں ہے۔

بوڑھے نے ایسی چند باتیں کیں اور جوان سے اپنا پیچھا چھڑانے میں غنیمت سمجھی اور اپنے کام کاج کی طرف روانہ ہوگیا۔

جوان اپنے دل میں کہنے لگا، ہیں واقعی سب لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اس نے دونوں رستوں میں سے ایک رستہ اختیار کرنے کیلئے شیر خط سے کام لیا اور دریا کا رستہ اختیار کرلیا اور دل میں کہا خشکی تو ہمارے شہر میں بھی موجود تھی۔ معلوم ہوتا ہے کشتی اور دریا مجھے بلا رہے ہیں۔ وہ چلتا رہا اور دریا پر پہنچ گیا۔ کشتی مسافروں سے بھری تھی اور چلنے کیلئے تیار تھی اس لئے ملاح ان سے کرایہ وصول کر رہا تھا۔ جوان بھی ملاح کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، میں سفر پر جا رہا ہوں لیکن میرے پاس رقم نہیں ہے اگر مجھے بھی اپنے ہمراہ سوار کرلو تو تمہارے کام آؤں گا۔

ملاح نے پوچھا، تم کس کام آسکتے ہو؟

جوان نے کہا، اگر تمہیں کسی دشمن کا سامنا ہوا تو میں اس کا مقابلہ کروں گا۔

ملاح ہنسنے لگا اور کہا معاف کرو۔ ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے اور نہ ہی اس رستہ میں چور اور ڈاکو ہیں جن سے مقابلہ کرنا پڑے۔ دریا کے سفر کیلئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے اپنا زور اور طاقت اپنی خالی اور چچی کے گھر خرچ کرنا۔ ملاح نے اتنا کہنے کے بعد دوسرے ملاحوں کو چلنے کا حکم دیا۔

جوان یہ سماں دیکھ کر پریشان ہوگیا اور چاہا کہ ملاح کو دندان شکن جواب دے لیکن کشتی تو کچھ فاصلے پر پہنچ گئی تھی اسلئے بلند آواز سے کہنے لگا، میرے پاس رقم کے بجائے کپڑوں کی گٹھڑی موجود ہے جسے بیچنے کیلئے جا رہا ہوں۔ تمہیں جون سی چیز پسند آئے لے لو اور مجھے ہمراہ لے جاؤ۔

ملاح کو لالچ نے گھیر لیا اور کشتی کنارے پر لے آیا اور کہا معلوم ہوتا ہے اب تمہاری سمجھ میں کچھ نہ کچھ آ گیا ہے اسلئے آؤ اور سوار ہو جاؤ۔ جوان تو ملاح کی زبان کا زخم خوردہ تھا، جونہی اس کا ہاتھ ملاح کے دامن میں پہنچا تو اسے کنارے پر کھینچ لیا اور اس کے سینے اور پیٹھ پر مکے مارنے لگا اور کہا بدبخت! مجھ سے کرایہ مانگتے ہو۔

جب دوسرے ملاحوں نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ بھی نیچے اُتر آئے لیکن ان میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو اسکا مقابلہ کر سکتا اور اس پر قابو پاتا اس لئے مجبوراً انتقام کے بجائے صلح صفائی پر اُتر آئے۔ ملاح بھی مار کھانے کے باوجود قہقہے لگانے لگا اور کہا میرے بیٹے! صبر کرو، ہم نے تو مزاح کیا تھا لیکن تم تو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے لگ گئے ہو؟ واقعی جوان اور باہمت ہو۔ مجھے اپنی جان کی قسم ہے تم وہی شخص ہو جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اب ہمیں کوئی گلہ نہیں ہے اس لئے کہ تمہیں پہچان لیا ہے اور اس بات کیلئے تیار ہیں کہ تمہیں دنیا کے آخری سرے پر پہنچادیں۔ تمہارے قدم ہماری آنکھوں پر۔ آؤ اور کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ ہم کرایہ بھی تمہارے سر پر قربان کرتے ہیں بلکہ دریا کے پار جانے تک تم ہمارے مہمان ہو گے۔ ہم اس حادثہ کو بھلانے کیلئے تیار ہیں بلکہ اس بات سے خوش ہیں کہ تم جوانمرد اور طاقتور ہو۔ ملاحوں نے مل کر جوان کو رام کر لیا تھا اور اس سے صلح کر کے اس کا سر اور منہ چومنے لگے بلکہ معافی مانگ کر کشتی میں سوار کر لیا۔ ملاح نے مسافروں سے کہا، تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم نے جھگڑا کیا ہے بلکہ ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ مسافر بھی ہنسنے لگے اور کشتی چل پڑی۔

مسافروں میں ایک بوڑھا شخص جہاندیدہ اور مردم شناس تھا۔ وہ ملاحوں کے پاس آیا اور کہنے لگا تو نے اس خودسر جوان کو اپنے ہمراہ سوار کر کے اچھا کام نہیں کیا ممکن ہے ہمارے لئے کوئی اور دردِ سر پیدا کرے اس جوان کی حرکت سے سب مسافر رنجیدہ ہیں اگرچہ ہم جھگڑا نہیں چاہتے لیکن لوگوں کو سر پر نہیں چڑھانا چاہئے۔

ملاح نے کہا، آپ تسلی رکھیں ابھی یہ جوان ہمارے پنجے میں گرفتار ہے میں نے اسلئے سوار کیا ہے کہ اسے اچھا سبق سکھایا جائے لیکن ہم کنارے پر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ آپ کچھ دیر صبر کریں اور نتیجہ کو دیکھیں اسلئے کہ مرغی کے چوزے پت جھڑ کے آخر میں گنے جاتے ہیں۔

ملاح اور اس کے ساتھیوں نے اشاروں ہی سے نقشہ تیار کر لیا تھا اور اس کی قہوہ، شربت اور مٹھائی سے خاطر تواضع کر رہے تھے اس لئے آپس میں ایسے محوِ گفتگو ہوئے گویا مدتوں سے ایک دوسرے کے واقف ہیں۔ ملاح نے جوان سے ہر طرح کی باتیں کیں اور کہا ہمیں دریا کے سفر میں کئی طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کبھی دریائی قذاقوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے لیکن اب تو ہمیں تمہارے دست و بازو پر فخر ہے اگر تم بھی ہماری طرح دریا نوردی کرو تو یقین رکھو تمہارا وقت خشکی کے مقابلہ میں اچھا گزرے گا صرف ہمیں ہی دیکھ لو اللہ تعالیٰ کا تمام ملک ہمارے قدموں تلے ہے۔ یقین کرو، پانی کے مانند خوبصورت اور صاف جگہ زمین کے

کسی حصہ میں نہیں ہے۔ ہم سے زیادہ خوش نصیب دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے۔ اب تمہارے ملنے سے ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے گمشدہ دولت حاصل کر لی ہے۔ بہر حال امتحان کے طور پر یہ سفر ایک آزمائش سمجھو، اگر تمہیں پسند آئے تو ہمیشہ کیلئے ہمارے ہمراہ رہ جاؤ۔

ملاح کافی دیر تک ایسی باتیں کرتا رہا اور جوان خوشی اور غرور سے پھولوں نہ سماتا تھا اور دل ہی دل میں شہر، گاؤں، والدین، کوچہ اور محلہ سے بیزار ہوتا گیا۔ کشتی چل رہی تھی اور رات آگئی۔ انہوں نے رات کا کھانا مل کر کھایا اور دوسرے دن صبح ساحل کے نزدیک ایک خطرے کے مینار کے قریب پہنچ گئے جہاں سے ایک شہر دکھائی دے رہا تھا پرانے زمانہ میں ایسے مینار پتھریلی چٹانوں پر بنائے جاتے تھے تاکہ کشتیاں ان سے دُور رہیں اور ٹکرانے نہ پائیں۔

ملاح نے کشتی روک لی اور کہا بادبان کا کپڑا کام نہیں کر رہا ہے اگر دریا میں طوفان آگیا تو ہم آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ بادبان کی مرمت کیلئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اسلئے کسی حادثے یا مصیبت میں گرفتار ہونے سے بہتر ہے کہ کچھ دیر یہاں رُک جائیں۔

ملاح نے بادبان کی مرمت کا حکم دیا اور کہا جو شخص پانی سے نہیں ڈرتا وہ چٹان پر جا کر ستون کے پاس پہنچ جائے اور مضبوطی سے رسہ پکڑ لے تاکہ کشتی حرکت نہ کرے اور بادبان کی مرمت کر لی جائے۔

مددگار ملاح نے کہا، یہ تو میرا کام ہے میں رسے کو مضبوطی سے پکڑ رکھوں گا۔ ملاح نے کہا تم نے تو چرخی گھمانی ہے تاکہ رسے کی گانٹھیں دُرست کی جائیں کیونکہ کوئی دوسرا شخص اس کام سے واقف نہیں ہے لیکن چٹان پر جا کر رسہ پکڑنا ایسے شخص کا کام ہے جو طاقتور ہو اور ڈرپوک بھی نہ ہو ممکن ہے اسے آدھ گھنٹہ اپنی جگہ پر کھڑا رہنا پڑے۔

مکاباز جوان تو پہلے ہی ملاحوں کی باتوں میں آگیا تھا اس لئے کہنے لگا ان مسافروں کو اس کام کا حوصلہ اور جرأت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شخص مجھ جیسا طاقتور ہے۔

ملاح نے کہا، نہیں نہیں! تم ہمارے مہمان ہو، ہم مہمانوں سے کام نہیں لیتے حالانکہ یہ کام تمہارے لئے مناسب ہوگا۔

جوان اور بھی خوش ہو گیا اور کہنے لگا، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے چٹان اور مینار بھی قریب ہیں اور میں آسانی سے وہاں پہنچ سکتا ہوں۔

ملاح کے نائب نے کہا، میرے دوست! اگر ڈر محسوس کرو تو ہم تمہیں وہاں پہنچا سکتے ہیں، یہاں سے مینار تک دس قدم کا فاصلہ ہے اور چٹان پر سیڑھی بنی ہے۔

جوان نے کہا، اس کی فکر نہ کرو۔ اس نے رسی کا سرا پکڑا اور کشتی میں سیڑھی لگا کر مینار تک پہنچ گیا اور اسے پکڑ کر رسہ کھینچ لیا۔

ملاح نے کہا، ہاں رسے کو مزید کھینچو۔ ہاں! کھینچتے رہو۔ اب درست ہے، بغیر حرکت کئے اسے تھامے رکھو۔

اس وقت ملاح کے نائب نے سیڑھی کھینچ لی جو پانی میں گر گئی ملاح نے جوان سے کہا، اب وہیں کھڑے رہو اسلئے کہ یہ عمدہ جگہ ہے اور لوگ بھی تمہارے شر سے محفوظ رہیں گے البتہ یہاں تمہیں مکا بازی کا موقع نہ ملے گا۔ اپنی کپڑوں کی گٹھڑی بھی لے لو تاکہ سردی سے محفوظ رہو۔ ملاح نے جوان کی گٹھڑی اس کی طرف پھینک دی اور رسی کا دوسرا سرا بھی چھوڑ دیا جو اس نے پکڑ رکھا تھا اور کشتی کو چلنے کا حکم دے دیا۔

جوان تیرنا نہ جانتا تھا اسلئے سمجھ گیا کہ ملاح نے مجھ سے مکا بازی کا انتقام لیا ہے وہ جتنا ہی چیخا چلایا، کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی جب کشتی چل پڑی تو تجربہ کار بوڑھا نہایت ہی ناراض ہوا اور ملاح سے کہا، میرے بھائی! تو نے بڑا سخت انتقام لیا ہے بیچارہ پانی میں گر کر ڈوب مرے گا۔

ملاح نے کہا، اس کی فکر نہ کرو۔ وہ ایک رات بے خوابی میں گزار لے گا اور ڈرتا رہے گا لیکن کچھ نہ کچھ نصیحت بھی حاصل کرے گا کل صبح لوگ ساحل سے دیکھ کر اسے نجات دے دیں گے۔ میں نے اس کی گٹھڑی بھی اس کے حوالے کر دی ہے اس کا سرمایہ اس کی طاقت ہے اور وہ بھی اس کے پاس موجود ہے۔ اے بزرگ! مجھے بتاؤ کہ کیا میں نے کرایہ مانگ کر کوئی غلطی کی تھی؟ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس نے ہم سے کیسا سلوک کیا ہے؟

بوڑھے نے کہا، اگر کل تک اسے نجات مل جائے تو بہتر ہو گا ایسے آدمی کیلئے یہ تجربہ بھی بہتر ہو گا۔

جوان حیران و پریشان چٹان اور مینار پر کھڑا تھا۔ اس نے دوسرے دن دیکھا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے پانی ہی پانی ہے اور کسی جگہ زندگی کے آثار نہیں ہیں۔ سیڑھی بھی اس کے پاؤں کے نیچے پانی میں تیر رہی تھی اور مینار پر کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے علاوہ زیادہ جگہ نہ تھی۔ وہ بھوکا پیاسا تھا اور بے خوابی اور پریشانی سے سوچنے سمجھنے سے بھی قاصر تھا۔ اسے بار بار ماں باپ، کوچہ، محلّہ، کام، بیکاری اور آوارگی یاد آ رہے تھے۔ جب کھڑے کھڑے تھک گیا تو سیڑھی کے پاس پہنچ گیا اور اس کے اوپر لیٹ گیا سیڑھی پانی کی لہروں کے ساتھ ساتھ ساحل کی طرف جا رہی تھی اور حسن اتفاق سے کنارے کے قریب پہنچ کر درختوں اور گھاس میں اٹک کر رک گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس میں اٹھ کر کھڑا ہونے یا چلنے کی طاقت نہ تھی لیکن جان کے خوف سے ساحل پر پہنچ گیا تاکہ تھکاوٹ دُور کرے اور دھوپ میں کپڑے خشک کرے۔ جوان گھاس اور سبزہ کھود کر کھانے لگا اس کے بخت نے مدد کی کہ موسم اچھا تھا اور جونہی اس کی جان میں جان آئی تو جنگل کی طرف چل پڑا، حالانکہ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ کس سمت کو جا رہا ہے۔ وہ بھوکا اور پیاسا تھا کہ اتفاق سے ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ایک چار دِیواری کے اندر کنواں تھا۔ کنویں کا مالک بیٹھا تھا اور مسافروں سے رقم لے کر انہیں پانی پلا رہا تھا بلکہ مسافر تو اپنے کوزے اور مشکیزے بھی پانی سے بھر رہے تھے۔ جوان آگے بڑھا اور پانی کا پیالہ لے کر پی لیا اور دوسرا پیالہ لے کر منہ ہاتھ دھو لئے اور تازہ دم ہو گیا۔ جوان کچھ دیر بیٹھا رہا اور شہر جانے کا رستہ دریافت

کرتا رہا جب جانے کیلئے تیار ہوا تو کنویں کے مالک نے اس سے پانی کی قیمت مانگی جوان کو معلوم تھا کہ اس کے پاس رقم نہیں ہے لیکن اپنی کم عقلی اور طاقت کے گھمنڈ سے شیریں زبانی سے کام لینے پر بھی قادر نہ تھا اس لئے کنویں کے مالک سے کہا، کیا تمہیں پانی کی قیمت لیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ کنویں کے مالک نے کہا کیسی شرم؟ یہ زمین میری ہے، میں نے خرچ کیا ہے، محنت اور تکلیف برداشت کی ہے اور کنواں کھودا ہے اب لق و دق صحرا میں مسافروں اور رہ گزروں کیلئے پانی مہیا کر رہا ہوں۔ ہر شخص کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے اور میرا کام یہی ہے۔ میں لوگوں سے ان کے باپ کی وِراثت تو نہیں لے رہا، صرف معمولی سا سکہ لیتا ہوں اور پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہوں۔

جوان نے کہا تمہارا مطالبہ اور باتیں دُرست ہیں لیکن میں رقم دینے والوں سے نہیں ہوں، اس لئے جو چاہتے ہو وہی کر گزرو۔

کنویں کے مالک نے کہا، اگر تم کہتے کہ مسافر ہوں رستہ سے بھٹک کر یہاں آنکلا ہوں میرے پاس رقم نہیں ہے ضرورت مند اور مہمان ہوں تو کچھ بات بھی بنتی، لیکن تم کہہ رہے ہو کہ میں رقم دینے والوں سے نہیں ہوں اور جو چاہو کر گزرو، اسلئے ہمیں بھی کچھ کرنا پڑے گا۔

جوان نے کہا، میں نے جو کہا ہے وہی ہے، میں نے اپنے بازو میں طاقت جمع کر رکھی ہے اور..........

اتنے میں چند اشخاص اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے غور سے دیکھنے لگے۔

جوان نے کہا، کیا بات ہے؟ کیا تم نے آدمی نہیں دیکھے کہ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو؟ ایک شخص آگے بڑھا اور کہا، معلوم نہیں تم نے کون سے اصطبل میں پرورش پائی ہے؟ یہ کیسی باتیں بنا رہے ہو۔

جوان نے کہا، بس یہی کچھ ہے اگر جھگڑے کیلئے تیار ہو تو آگے آجاؤ۔ ان جوانوں میں ایک شخص قدرے بے حوصلہ تھا وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا واقعی یہاں لڑنے کے ارادہ سے آئے ہو تو برا کر رہے ہو اور برائی ہی دیکھو گے اب جاؤ اور ہماری نظروں سے دُور ہو جاؤ ہم یہی سمجھیں گے کہ ایک گداگر آیا تھا اور گداگری کر رہا تھا۔ جوان نے ابھی ان اشخاص کی گنتی نہ کی تھی۔ اس لئے آگے بڑھا اور ایک شخص کو گلے سے پکڑ لیا اور پوچھا، کیا کہہ رہے ہو؟

اس کے ساتھیوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو چند افراد اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی خوب مرمت کی اور کہا، تو جو کچھ کہہ رہا ہے یہ باتیں تو ہماری ماں اور خالہ کیلئے بہتر ہیں اس صحرا میں ایسی باتوں کا خریدار کوئی نہ ہو گا۔

قصہ مختصر! سب نے مل کر جوان کو خوب مارا پیٹا اور بے حال کر دیا۔ اب اس کیلئے سوائے برداشت کے کوئی چارہ نہ تھا اس لئے کہ کئی افراد نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا لیکن اب بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس سفر سے اس نے کچھ نہیں سیکھا۔

جوان نے کہا، خدا کیلئے مجھے معاف کریں، میں مسافر اور بھوکا ہوں کشتی سے دریا میں گر پڑا تھا اور کئی دِنوں سے کچھ نہیں کھایا۔

انہوں نے کہا، یہ تو بہت اچھا ہوا ہے کہ مسافر اور بھوکے ہو اور کشتی سے دریا میں گرے ہو اور چند دنوں سے کچھ نہیں کھایا اگر تمہارا پیٹ بھرا ہوتا تو معلوم نہیں کیسے جانور ہوتے! معلوم نہیں تجھے کون سے کھنڈرے سے نکال کر لایا گیا ہے۔

بہر حال اسے کھانا دیا گیا جب اس کی جان میں جان آئی تو آرام کیلئے لیٹ گیا اور چپ سادھ لی۔ اتفاق سے کچھ دیر بعد ایک قافلے کا وہاں سے گزر ہوا جنہوں نے رستہ کیلئے کافی پانی خریدا اور جوان بھی قافلے کے پیچھے روانہ ہوگیا اور انکا ہم سفر بن گیا۔

رات کو جب قافلے کا گزر **صحرائے نوگنبد** سے ہوا تو کہنے لگے یہاں راہزن کمین میں ہوتے ہیں اس لئے اہل قافلہ نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اونٹوں کی گھنٹیاں کھول دیں تاکہ ان کی آواز نہ آنے پائے۔ نیز چند جوانوں کو حفاظت اور دیکھ بھال پر مقرر کر دیا۔

ہمارے قصے کے جوان نے بھی موقع کو غنیمت سمجھا اور سالار قافلہ کے پاس جا کر کہا، تم چوروں سے نہ ڈرو میں اکیلا ہی پچاس آدمیوں کا مقابلہ کرسکتا ہوں تم بھی میری مدد کرو گے اس لئے ہمارا پلہ بھاری ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کوئی شخص ٹیڑھی آنکھ سے بھی ہمیں نہ دیکھ سکے گا۔

اہل قافلہ خوش ہوئے اور اس کی ہمراہی اور موافقت سے خوش ہوئے اسے ایک جوڑا لباس ہدیہ دیا، جب منزل پر پہنچے اور رات کو قیام کا ارادہ کیا تو خطرے کے خوف سے جوان کی خوب خاطر تواضع کی، اسے کئی دِنوں کی پریشانی کے بعد عمدہ خوراک ملی تھی اس لئے خوب پیٹ بھر کر کھایا پیا بلکہ اب تو اس میں ہلنے جلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اہل قافلہ جونہی آرام کیلئے لیٹے تو جوان نے بھی ایک چٹائی لی اور سب سے پہلے سوگیا۔ اس کے خراٹوں کی آواز نوگنبدوں سے بھی بلند ہوگئی۔

اس قافلے میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جس نے دنیا کے گرم وسرد حالات دیکھے تھے اور بڑا تجربہ کار تھا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، میرے بھائیو! میں اس جوان کو پہچانتا ہوں۔ دو سال قبل میں اس کا پڑوسی تھا اور اسی جوان کے کرتوتوں سے تنگ آکر اپنا مکان بیچ دیا تھا۔ یہ ایسا نکما اور نکھٹو ہے کہ میں تو چوروں سے زیادہ اسی سے ڈر رہا ہوں۔ اس کا دعویٰ دیکھو! یہ کہتا ہے کہ پچاس ڈاکوؤں کا مقابلہ کرسکتا ہے جبکہ اس نے کھانا کھانے میں سب سے پہلے پیٹ بھرلیا ہے اور جاگنے اور پہرہ دینے کے بجائے سب سے پہلے سوگیا ہے! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر سارے قافلے کو پانی بہا کر لے جائے تو یہ اپنی نیند سے سر نہ اُٹھائے گا اور اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو انہی کا ساتھ دیگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ڈاکوؤں کا ساتھی ہو اور ہمیں دھوکہ دینے کیلئے ہمارے ساتھ شامل ہوگیا ہو۔ میرا تو یہی مشورہ ہے کہ اسے سوتا ہوا چھوڑ دیں اور یہاں سے کوچ کرلیں اسلئے کہ اس شخص کے ہم سفر ہونے سے ایک رات کی بے خوابی بہتر ہے۔

اہل قافلہ نے یہ تجویز منظور کر لی جب انہوں نے سامان باندھا تو پریشان حال جوان کو کسی شور اور زمزمہ نے بیدار نہ کیا اور قافلہ روانہ ہوگیا۔ جوان اسی طرح پڑا رہا اور صبح کو چور بھی اس کے سر پر آگئے جب اسے سویا ہوا دیکھا تو اسے بیدار کیا اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں قافلہ کا ایک فرد ہوں۔

انہوں نے کہا، کون سا قافلہ؟

اس نے کہا، مجھے معلوم نہیں ہے۔ جب میں جاگ رہا تھا تو اہل قافلہ یہاں موجود تھے، اب تم نے جگایا ہے تو قافلہ موجود نہیں ہے۔

ڈاکوؤں نے کہا، قافلہ کہاں سے آ رہا تھا اور کس سمت کو گیا ہے؟

جوان نے کہا، مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں اکیلا سفر کر رہا تھا اور رستہ میں بھٹک گیا تھا اتفاق سے قافلہ کے ہمراہ شامل ہوگیا۔ میں اہل قافلہ سے کسی کو نہیں پہچانتا۔ ایک چور نے کہا، یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق میں بتا رہا تھا ورنہ یہاں اکیلا نہ ہوتا۔ ڈاکوؤں نے اسے پکڑ لیا اور خوب مارا پیٹا۔ اس کے کپڑوں کی گٹھڑی لے لی اور ایک زیر جامہ کے علاوہ باقی کپڑے بھی اُتار لئے اور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور قافلہ کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چل پڑے۔

جوان درخت سے بندھا تھا اور نہایت نا اُمید تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں اہل قافلہ نے مجھ سے کون سی برائی دیکھی ہے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ وہ ظہر تک بھوکا پیاسا رہا کہ اتنے میں شہزادہ شکار کی تلاش میں ادھر آ نکلا۔ جب اس نے جوان کو درخت سے بندھا ہوا دیکھا تو اسے رحم آیا اور جوان کو آزاد کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کے پاس لے آیا۔ شہزادہ نے جوان کو نیا لباس دیا اور کھانا کھلا کر حال احوال دریافت کیا۔

جوان نے اپنی سرگذشت بیان کی تو شہزادے نے کہا، میں نے جب شروع میں تمہیں دیکھا تو خیال کیا کہ تمہیں ایک دستہ کا سردار بناؤں گا لیکن تمہاری باتوں سے بے لیاقتی کی بُو آ رہی ہے۔ سرائے کے مالک کو کھانے کی قیمت اور ملاح کو کرایہ کا حق تھا۔ کنویں کا مالک بھی پانی کی قیمت وصول کرنے میں حق بجانب تھا اور اہل قافلہ کو بھی حق حاصل تھا کہ تجھے اکیلا چھوڑ کر تجھ سے اپنا پیچھا چھڑاتے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل قافلہ میں کوئی ایسا شخص بھی موجود تھا جو تجھے پہچانتا تھا۔ ہاں! بتاؤ کہ قہوہ خانہ کا مالک، ملاح اور کنویں کے مالک کا کیا گناہ تھا؟

جوان نے کہا، اب میں سمجھ گیا ہوں کہ میں نے ہر ایک سے برا سلوک کیا ہے اس لئے اپنے کام سے پشیمان ہوں اور توبہ کرتا ہوں اب چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں رہوں اور اپنی جان فدا کروں۔

شہزادہ نے کہا، اس کا امتحان بھی آسان ہے۔ اگر میں تجھے ہزار دینار بخش دوں اور تجھے والدین کے پاس بھیج دوں تا کہ اپنے والدین سے اجازت لے آؤ تو کس طرح جاؤ گے اور کیسے واپس آؤ گے؟

جوان نے کہا، اجازت مجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو انہیں اطلاع دے کر فوراً واپس آجاؤں گا۔

شہزادے نے کہا، کیا تم نہیں چاہتے کہ قہوہ خانے کے مالک، ملاح اور کنویں کے مالک سے اپنے رویے کی معافی مانگو اور ان کی دلجوئی کرو۔

جوان نے کہا، کیسی معافی اور کیسی دلجوئی؟ میں اس وقت مجبور تھا۔ اگر میری جگہ کوئی اور شخص بھی ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

شہزادے نے کہا، نہیں! جو شخص بھی تمہاری طرح برتاؤ کرتا، برائی ہی دیکھتا۔ دنیا کی رسم یہ ہے کہ ہر جگہ درست باتیں اور انصاف کو پسند کیا جاتا ہے اور کوئی شخص زور، ظلم اور زیادتی کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی تم دنیا کی رسم تبدیل کر سکتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تم اچھا انسان بننے کیلئے آمادہ نہیں ہو، اس لئے ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اے جوان! میں چاہتا ہوں کہ اپنی رعایا اور مصاحبوں کا عزیز بنوں۔ اگر میرے مصاحب تم جیسے بن گئے تو بجائے عزیز بننے کے اپنی عزت بھی کھو بیٹھوں گا۔

میرے عزیز! اب جبکہ تم اپنے والدین کی اجازت لینا بھی پسند نہیں کرتے تو میں تجھ پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں کہ میرے پاس ایمانداری سے کام کرو گے۔ رقم کی موجودگی کے باوجود بھی تم لوگوں کا حساب بے باق کرنے کیلئے تیار نہیں ہو اور اپنے رویہ پر اظہار ندامت کرنے اور معافی مانگنے کیلئے آمادہ نہیں ہو۔ پس سرداری اور اعلیٰ عہدہ کی خواہش کیسے کرتے ہو؟ تمہیں ہزار دینار دینا بھی رقم ضائع کرنی ہے البتہ تجھے والدین کیلئے کچھ تحفے دیئے جاتے ہیں اور اپنے سپاہیوں کے ہمراہ تجھے وطن بھیجتا ہوں اس کے بعد بھی تمہارے حالات دریافت کرتا رہوں گا۔ جب مجھے معلوم ہوگا کہ کوئی شخص تجھ سے آزردہ نہیں ہے اور جان لو گے کہ لوگوں کے حقوق کیسے ادا کئے جاتے ہیں تو شاید اس وقت تجھ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص صرف اپنے آرام اور آسائش کی فکر میں رہتا ہے اور دوسروں کے آرام و آسائش کو پسند نہیں کرتا وہ چاہے گھر پر ہو یا سفر میں ہو، لوگوں کی نظروں میں عزیز اور محترم نہیں بن سکتا۔

جوان کو اپنے وطن بھیج دیا گیا چونکہ اس کی ظاہری حالت بہتر تھی اسے دیکھ کر والدین بے حد خوش ہوئے۔ رات کو جوان نے اپنے سفر کی داستان سنائی اور ملاح کا مکر و فریب بھی بتایا اور دوسرے حالات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا کہ اگر شہزادہ وہاں نہ پہنچتا تو شاید اسی جنگل میں ہلاک ہو جاتا۔ بہر حال اس نے بتایا کہ جب میں سفر پر روانہ ہوا تھا تو خالی ہاتھ تھا لیکن اب تحفے تحائف لے کر واپس آیا ہوں۔

جوان نے بتایا کہ اب میں مکا بازی سے کنارہ کشی کروں گا اور سفر سے جو تجربہ حاصل کیا ہے اسے کام میں لاؤں گا اور اپنے آپ کو اچھا انسان بنانے کی کوشش کروں گا۔

باپ نے کہا، اب ایک تو درست ہو گیا ہے یعنی تم خیریت سے واپس آ گئے ہو اور تجربہ بھی حاصل کیا ہے اور اتفاق سے تحفے تحائف بھی لے آئے ہو اگر تمہاری ملاقات شہزادے کے بجائے اپنے مانند کسی شخص سے ہوتی تو نیک بختی کے بجائے بد بخت بن جاتے۔ ہاں! اب مجھے بتاؤ کہ کل سے کیا کام کرو گے؟

نوجوان کے ستائے ہوئے اہل محلہ کو جب اس کی واپسی کا علم ہوا تو موقع کو غنیمت سمجھا اور مدعی کو اطلاع دی کہ نوجوان سفر سے لوٹ آیا ہے۔ مدعی نے فوراً کوتوال کو اطلاع دی اور سپاہی اسے پکڑنے کیلئے آ گئے۔ ماں نے چاہا کہ بیٹے کو چھپا دے لیکن جوان نے کہا مجھے اپنے فعل کی تلافی اور معافی مانگنے سے انکار نہیں ہے اس لئے اُمید ہے قاضی کی عدالت میں معاملہ طے ہو جائے گا۔

جوان کو پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے جایا گیا جبکہ سزا اور جرمانہ اس کی انتظار میں تھے لیکن اب اس نے سفر سے عمدہ تجربہ حاصل کر لیا تھا اس لئے صدق دل سے پشیمانی کا اظہار کیا اور مدعی سے معافی مانگی اور خیریت سے واپس آ گیا۔

جوان دوسرے دن صبح اپنے باپ کے ہمراہ کام پر چلا گیا اور چند دِنوں کے بعد رات کے مدرسہ میں داخل ہو کر سبق پڑھنے لگا۔

اب اسے گلی کوچوں میں کوئی شخص بے مقصد پھرتے ہوئے نہ دیکھتا تھا جب اسی طرح چند دن گزر گئے تو ایک دن اسکے ہمسائے نے اس کی والدہ سے پوچھا، کئی دنوں سے اسی دکھائی نہیں دیتا، کیا دوبارہ سفر پر چلا گیا ہے؟

اس کی ماں نے کہا، اسی یہیں ہے لیکن اب وہ پہلے جیسا اسی نہیں ہے۔ جب سے سفر سے لوٹا ہے بالکل تبدیل ہو گیا ہے اب وہ کام کرتا ہے اور سبق پڑھتا ہے اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ اس کا نام اسماعیل ہے اسکندر نہیں ہے۔

ہمسایوں نے کہا...... الحمدللہ!

یک نہ شد دو شد

کسی زمانے کاذکر ہے کہ ایک شہر میں ایک بھینگا شخص رہتا تھا۔ جسے ایک کے بجائے دو نظر آتے تھے جس کی وجہ سے اسے اپنے کام میں شبہ پڑ جاتا اور کوئی آدمی اس کے سپرد اہم کام نہ کرتا تھا، اسے گنتی میں بھی شبہ ہو جاتا۔ رستہ چلتے وقت بھی شبہ کا شکار ہو جاتا اور ہر وقت بیٹھ کر حساب کرتا کہ میں نے کتنے آدمی دیکھے ہیں؟

میرے دوستو! دنیا میں ہزاروں طرح کی بدبختیاں ہیں اور اس بھینگے میں بھی یہی نقص تھا اس کے باوجود نہایت ہی نکتہ سنج اور شیریں زبان تھا، اس لئے جب اس کا عیب اس کے غصہ اور ناراضگی کا سبب بنتا تو خود اس کیلئے بلکہ دوسروں کیلئے بھی باعث تفریح اور خوشی کا سامان ہوتا تھا۔ بہر حال یہ شخص دوسروں کی مدد سے زندگی بسر کر رہا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرنا تھا چونکہ خالی ہاتھ تھا اس لئے ایک شخص سے اپنی داستان بیان کی اور اس سے مدد مانگی۔

اس شخص نے کہا، حاکم کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ ہمارا حاکم بڑا سخی ہے وہ تمہارے جیسے ضرورت مندوں کی ہر وقت مدد کرتا ہے اور انہیں ہر ماہ پانچ دِینار وَظیفہ دیتا ہے جو عام آدمی کی گزر بسر کیلئے کافی ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ اس کے پاس جاؤ اور مدد مانگو۔

بھینگا خوش ہوا اور حاکم کی خدمت میں جا پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ حاکم شکار کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا میری آنکھ میں نقص ہے اور ایک کے بجائے دو دِکھائی دیتے ہیں۔ میں نے ہرچند کوشش کی ہے لیکن پھر بھی شبہ میں پڑ جاتا ہوں اس لئے کوئی کام نہیں کرسکتا اور دوسروں کا محتاج ہوں۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میری مدد کریں تاکہ گداگری نہ کروں۔

حاکم لوگوں کی باتیں نہایت توجہ سے سنتا تھا لیکن بہت ہی کم باتیں کرتا تھا اس لئے بھینگے کو بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی عادت تھی کہ اپنا حکم لکھ لیتا اور خزانچی کو دے دیتا تھا اور اس کی وجہ وہ خود جانتا تھا اس لئے کہ حاکم میں بھی ایک نقص تھا وہ یہ کہ اس کی زبان میں لکنت تھی اور نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کے سامنے باتیں کرے تاکہ اس کا نقص ظاہر نہ ہو۔

بھینگے نے جب حاکم کی خاموشی دیکھی تو دل میں کہنے لگا شاید حاکم بھی میری درخواست کے بارے میں سوچ رہا ہے اور اسے منظور کرنے میں تامل کر رہا ہے۔ اس لئے مجھے حاکم کی خوشی سے فائدہ اُٹھانا چاہئے مناسب ہوگا کہ اپنی شیریں بیانی سے اسے خوش کروں تاکہ میرے حق میں جلد فیصلہ کرے اور میری سرپرستی کرے۔ اس لئے کہنے لگا اگر جناب حاکم مجھ پر عنایت کریں تو مجھے دوسروں سے زیادہ فائدہ ہوگا کیونکہ مجھے ایک کے بجائے دو دکھائی دیتے ہیں اس لئے تمہاری بخشش بھی دُگنی دیکھوں گا اور دوسروں کے مقابلے میں دوگنا خوشحال ہوں گا اور دوسروں سے دوگنا زیادہ دعائیں دوں گا حاکم کو بھینگے کی باتیں پسند آئیں اور

قہقہے لگا کر ہنسنے لگا لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تاہم بھینگے کی شیریں زبانی اور نکتہ سنجی سے حاکم نے ارادہ کر لیا کہ اسے پانچ دینار کے بجائے دس دینار دیئے جائیں لیکن اسے شکار پر جانے میں جلدی تھی اور حکم لکھنے کیلئے اسکے پاس وقت نہ تھا اسلئے دوبارہ ہنستے ہوئے خزانچی کو بلایا اور بھینگے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، دس دس دینار۔

خزانچی نے حاکم کے قہقہے سن کر سوچا کہ اس شخص نے اپنی باتوں سے حاکم کو خوش کیا ہے اور یہ حکم بھی اس کے ماہانہ وظیفہ کیلئے دے رہا ہے اس لئے تیزی سے لوٹا تا کہ حکم لکھا جائے اور اسے دس دینار دیئے جائیں۔

بھینگا بھی تعظیم بجالایا اور خزانچی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا وہ ابھی تک حاکم کی لکنت سے لاعلم تھا اسلئے جب اس نے دس دس دینار کا لفظ سنا تو سوچنے لگا کہ دس ضرب دس سو دینار ہوتے ہیں واقعی حاکم میری باتوں سے خوش ہوا ہے اور مجھے سو دینار دینے کا حکم دیا ہے اس لئے دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حاکم میرے وظیفے میں کمی نہ کر دے۔

اتفاقاً خزانچی نے بھی یہی باتیں اس سے پوچھیں اور کہا عام طور پر حاکم ضرورت مندوں کو پانچ دینار دیا کرتا ہے لیکن معلوم نہیں تُو نے کون سا کام کیا ہے کہ تجھے اتنی زیادہ رقم دی گئی ہے؟

بھینگے نے بہانہ بناتے ہوئے اور خزانچی کی حیرانگی کم کرتے ہوئے کہا، حاکم مجھے پہچانتا ہے میں اپنے کنبے کے دس افراد کا سرپرست ہوں اور بجائے اس کے کہ سب کو یہاں لاتا صرف مجھے ہی تمام افراد کی رقم دی گئی ہے اور سو دینار کا حکم دیا ہے یعنی ہر فرد کیلئے دس دینار اور مجموعی طور پر سو دینار۔

خزانچی کو پھر بھی شک گزرا اور بھینگے کی باتوں پر اعتبار نہ کیا اسلئے کہنے لگا، کیا واقعی تم دس افراد ہو اور تمہارے لئے سو دینار کا حکم ہوا ہے؟

بھینگے نے کہا، آپ کو اختیار ہے اگر تم چاہو تو اس میں کمی بھی کر سکتے ہو۔

خزانچی نے کہا، نہیں میں کمی نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے شبہ ہے کہ تمہیں صرف دس دینار دینے کا حکم ہوا ہے خزانچی نے منشی سے کہا کہ سو دینار کا حکم نامہ تحریر کیا جائے اور خود شکار کیلئے چلا گیا۔ رستہ میں خزانچی اور حاکم کی اس بھینگے کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔

خزانچی نے کہا، میں نے اس سے پہلے اس شخص کو کبھی نہیں دیکھا لیکن وہ تو کہتا تھا کہ میں حاکم کو پہچانتا ہوں۔

حاکم نے کہا، میں اسے نہیں پہچانتا لیکن اس کی باتیں مجھے پسند آئیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے اس نے کیا کہا تھا؟ وہ کہتا تھا کہ مجھے ایک کے بجائے دو دِکھائی دیتے ہیں اور مجھے تمہاری بارگاہ سے جتنی رقم ملے گی میں دُگنا خوش ہوں گا، دُگنا شکریہ ادا کروں گا اور تمہیں ثواب بھی دُگنا ملے گا۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی اس لئے دوسروں سے دُگنی رقم اسے دی گئی ہے۔

خزانچی نے کہا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے! پس اس نے آپ سے واقفیت کے متعلق غلط بیانی کی ہے۔ وہ تو مجھے کہتا تھا کہ حاکم مجھے پہچانتا ہے اور ہم گھر کے دس افراد ہیں جن کا میں سرپرست ہوں میں اس لئے تنہا آیا ہوں کہ سب افراد کو ہمراہ لاکر آپ کی زحمت کا سبب نہ بنوں۔

حاکم نے کہا، اس دنیا کے لوگ بھی عجیب ہیں! معلوم نہیں کیسی کیسی داستانیں بنا لیتے ہیں چونکہ اس میں جسمانی نقص تھا اور ایک عمدہ لطیفہ بھی بیان کردیا اس لئے میں نے بھی دس دِینار کا حکم دے دیا ہے۔

خزانچی سارا قضیہ سمجھ گیا لیکن سو دینار کا ذکر نہ کیا بلکہ سوچ میں ڈوب گیا کہ بھینگے کو معلوم نہ تھا کہ حاکم کی زبان میں لکنت ہے یہی وجہ ہے بعض الفاظ دو مرتبہ ادا کرتا ہے اسلئے جب بھینگے نے دس دس کا لفظ دو مرتبہ سنا تو خیال کیا کہ حاکم نے سو دینار کا حکم دیا ہے نیز اس نے دوسری باتوں سے بھی اپنا جھوٹ ثابت کیا ہے۔ لیکن مجھے تو حاکم کی عادت معلوم تھی اس لئے ضروری تھا کہ معاملہ کی تحقیقات کے بعد ہی سائل کو رقم ادا کرتا۔ بہر حال اب مجھے اس کی تلاش کرنی چاہئے تا کہ جھوٹے کو سزا دی جائے۔

جب شکار سے واپس آگئے تو خزانچی نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس نشانی اور حلیہ کا شخص یہاں سے سو دینار لے گیا ہے اسے جہاں بھی دیکھو پکڑ کر لے آؤ۔

سپاہیوں نے بھینگے کو شہر میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو اسے پکڑ کر خزانچی کے پاس لے آئے، حالانکہ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ اس کا جرم کیا ہے؟

خزانچی نے اس سے کہا، اے دھوکہ باز! تو نے کیا کیا ہے کہ مجھے بھی پریشان کردیا ہے۔ بھینگا تو ایک چیز کو دگنا دیکھتا تھا اسے اپنا جھوٹ یاد آیا اور جواب دیا معاف کرنا میں نے جھوٹ بول کر کسی کو نقصان نہیں پہنچایا میرے گھر کے افراد چاہے **دس نفر** ہیں یا میں اکیلا ہی ایک فرد ہوں۔ مجھے یقین نہ تھا کہ تم خفا ہوگے۔ بہر حال تم نے حاکم کے حکم پر عمل کیا ہے۔

خزانچی نے کہا، کون سا حکم؟ حاکم نے دس دینار کا حکم دیا تھا لیکن تو نے مجھے دھوکہ دے کر سو دینار وصول کر لئے ہیں۔

بھینگے نے کہا، اب آؤ اور حکم نامہ کی دُرستی کرلو لیکن تمہاری فرمائش بھی عجیب ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ حاکم نے کہا کہ دس دس دینار میں نے صرف یہی برائی کی ہے کہ حاکم سے واقفیت اور گھر کے دس افراد کا ذکر کیا ہے حالانکہ حاکم کا حکم تو سو دینار کا تھا۔

خزانچی نے چاہا کہ بھینگے کو حقیقت سمجھائے اس لئے کہنے لگا، حاکم کی زبان میں لکنت ہے نیز ہر حکم لکھ لیا جاتا ہے لیکن اسے شکار پر جانے کی جلدی تھی اس لئے زبانی حکم دے کر روانہ ہوگیا تھا۔ بہر حال حاکم کا مقصد بھی دس دینار تھا۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ باقی رقم خزانہ میں جمع کرائی جائے۔

بھینگے کو حقیقت کا علم ہو گیا تھا اس لئے کہنے لگا، مجھے بھی تعجب ہوا تھا اس لئے کہ سو دینار زیادہ رقم ہے تاہم دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ تمہیں شک گزرے گا اس لئے جھوٹ کا سہارا لیا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ مجھ سے بقایا رقم واپس نہ لی جائے۔ تم بخیل نہیں ہو اور حاکم بھی باز پرس نہ کرے گا۔

خزانچی نے کہا، خزانے کا مالک حاکم ہے اور میں حاکم کے حکم کے مطابق کام کرتا ہوں۔ اگر تم مزید نوے دینار کا حکم لے لو تو میں بخیل نہیں ہوں کہ تجھے یہ رقم دینے سے انکار کروں، وگرنہ مجھے پہلی رقم کی بھی جواب دہی کرنی ہے۔

بھینگے نے کہا، کیا میں حاکم سے اپنا مدعا بیان کر سکتا ہوں کہ حاکم نے کیا کہا ہے تاکہ بہانہ بناؤں اور حاکم کو مناسب جواب دے کر دوبارہ حکم حاصل کروں۔

خزانچی نے کہا، حاکم کو تمہارے جھوٹ کا علم ہے کہ تو نے زیادہ رقم وصول کی ہے اس لئے قدرے ناراض بھی ہے۔

بھینگے نے کہا، میں نے حاکم سے جو کچھ کہا ہے، درست ہے لیکن جو باتیں بعد میں کہیں جھوٹ تھیں اور نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں اس لئے حاکم کے سامنے جانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اب تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ میری طبیعت نے مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے مجھ میں ایک نقص ہے جو میرے لئے منافع بخش نہیں ہے اور حاکم کی ذات کا نقص خود اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

خزانچی نے کہا، کونسا نفع اور کونسا نقصان؟ تو نے ایک چیز کو دُگنا دیکھنے کی بدولت پانچ دینار کے بجائے دس دینار وصول کر لئے ہیں اس لئے یہ بات تمہارے لئے سودمند ثابت ہوئی ہے اور حاکم نے اپنی بات دو مرتبہ کہہ کر تجھے سو دینار بخش دیئے ہیں۔

بھینگے نے کہا، میں اپنے نقص کی وجہ سے محنت مزدوری نہیں کر سکتا اور لوگ میری برائی کرتے ہیں لیکن جب حاکم دس کو سو بنا دیتا ہے تو اس کی دو مرتبہ کی ادائیگی ہماری خوشحالی کا سبب بن جاتی ہے اور میں اسے دس گنا دعائیں دیتا ہوں۔

خزانچی نے کہا، اس میں کسی کا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن کوئی شخص اپنے جسمانی نقص اور بیماری کو پسند نہیں کرتا۔ جسمانی نقص نہ تو عیب ہے اور نہ ہی گناہ ہے۔ لیکن اصل کام نیت اور ارادہ ہے جس میں خوبی یا برائی بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح حاکم کا کسی بات کو دو مرتبہ بیان کرنا بھی ہمیشہ دعا گوئی کا سبب نہیں بنتا، مثال کے طور پر اگر حاکم کو تمہاری دروغ گوئی کا علم ہو جائے کہ تو نے نوے دینار زیادہ لے لئے ہیں تو تجھے سو کوڑے لگانے کا حکم دے دے گا۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ کیا اس صورت میں بھی تمہاری خوشحالی اور دعا گوئی ویسے ہی ہوگی؟

بھینگے نے کہا، نہیں نہیں! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں اور میرا ہاتھ تمہارے دامن میں ہے، میرا جھوٹ معاف کریں اور یہ رہے نوے دینار! میرے لئے دس دینار کافی ہیں اور اپنے بھینگے پن سے بھی مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے اس لئے ایک حاکم کو دو حاکم اور ایک خزانچی کو دو خزانچی دیکھ کر دونوں کا ممنون ہوں۔

جاہلیت

دو جاہل صحرائے بلخ میں سفر کر رہے تھے ان کے سامنے لمبا رستہ تھا لیکن جہالت سے حماقت کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ نادان اور احمق کیلئے یا تو کہنے کیلئے کوئی بات نہیں ہوتی یا پھر ایسے موضوع کی تلاش میں رہتے ہیں جس سے کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کیا جائے۔

جب دونوں جاہل خاموشی سے اُکتا گئے تو ایک نے دوسرے سے کہا، فلاں فلاں واقعات رونما ہو چکے ہیں لیکن تم پھر بھی خاموش ہو آخر کچھ تو کہو۔ خاموشی سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔ چونکہ جاہل اپنی بات ہمیشہ تلخ کلامی سے شروع کرتا ہے اسلئے جب پہلے شخص کی بات دوسرے نے سنی تو کہنے لگا، کیا جہنم میں پہنچ گئے ہو کہ تمہارا دم گھٹ رہا ہے؟ اگر تمہارے ذہن میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے تو جلدی بتاؤ، میں سننے کیلئے تیار ہوں۔

پہلے شخص نے کہا، نہیں میرا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کو مشغول رکھیں تا کہ رستہ طے ہو۔ کوئی حکایت اور روایت بیان کرو لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے جیسے احمق سے کہنے سننے کا تقاضا کر رہا ہوں حالانکہ تم مرجھائے ہوئے درخت کی طرح دکھائی دیتے ہو۔

دوسرے نے جواب دیا، خوب! میری درخواست ہے کہ اپنا منہ ایک طرف پھیرلو کیونکہ اس سے پیاز کی بو آرہی ہے اور صحرا میں پھیل رہی ہے۔ ہاں! بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ پہلے نے کہا خدا کرے تجھے موت آئے، میں تو چاہتا ہوں کہ مجلس گرم ہو آؤ تا کہ اپنی اپنی خواہش بیان کریں۔

دوسرے نے کہا، بہت بہتر! ہاں بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی آرزو ہے؟

پہلے نے کہا، میری خواہش ہے میرے پاس چند بھیڑیں اور بکریاں ہوں جو اسی جنگل میں چرتی پھریں۔ ان کا دودھ پیوں، ان کی اون سے کپڑے بنوں، ان کے بچے فروخت کروں، کسی کا محتاج نہ رہوں اور تمہارے جیسے احمق کا احسان برداشت نہ کروں۔

دوسرے نے کہا، تمہارے منہ میں پھول، میری بھی خواہش ہے کہ میرے چند بھیڑیئے ہوں تا کہ تمہارے گلے کو گھیرے میں لے لیں اور انہیں چیر پھاڑ لیں تا کہ تمہاری مونچھیں اسی طرح لٹکی رہیں۔

پہلے نے کہا، تم تو نہایت ناسمجھ ہو! میں نے تجھ سے کون سے برائی کی ہے کہ میرا ریوڑ ختم کرنا چاہتے ہو؟

دوسرے نے کہا، اس سے زیادہ برائی کیا ہوگی کہ تم شروع ہی میں اتنی زیادہ بھیڑ بکریوں کے مالک بننا چاہتے ہو، کیا تم مجھے اتنا بیوقوف سمجھتے۔ خدا کرے تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

پہلے نے کہا، اگر سچ پوچھتے ہو تو میرے مکے کی ضرب سے دور نہیں ہو۔

دوسرے نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا جسم سر کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا اور چاہتے ہو کہ تمہیں کچھ سکھایا جائے۔

پہلے نے کہا، بڑے ناسمجھ ہو! اس شکر کے کھانے کیلئے تمہارا منہ بہت چھوٹا ہے۔

دوسرے نے کہا، اب جبکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو ابھی لو۔ اس نے اپنے ساتھی کے منہ پر مکا رسید کردیا اور آپس میں اُلجھ پڑے

ان کے کپڑے پھٹ گئے اور خون کے دھبوں نے ان کے کپڑوں پر نقاشی کردی، ابھی ایک دوسرے کے درپے **آزادر** تھے کہ اس اثنا میں ایک شخص وارد ہوا اور کہنے لگا، تمہیں کیا ہوا ہے شاید زیادہ مقدا میں جو کھا لئے ہیں۔ تم انسانوں کی طرح صلح صفائی سے اپنا معاملہ طے کیوں نہیں کرتے؟ دنیا کے معاملات جھگڑوں سے طے نہیں ہوتے۔

پہلے نے کہا، آخر اس ناسمجھ کو دیکھو۔ میری بھیڑ بکریوں کو نہیں دیکھنا چاہتا اور چاہتا ہے کہ اپنے بھیڑیوں کے ذریعے ان پر حملہ کرے۔

دوسرے نے کہا، سارا گناہ اسی کا ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ دو تین بھیڑ بکریوں پر قناعت کرتا۔ کیا روئے زمین میں اور انسان نہیں بستے اور ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے آدمیت سکھاؤں۔

نووارد نے کہا، مجھے بتاؤ کہ بھیڑیے اور ریوڑ کہاں ہیں؟ یہاں تو کوئی چیز دِکھائی نہیں دیتی۔

پہلے نے کہا، نہیں بابا! ریوڑ اور بھیڑیے یہاں نہیں ہیں، ہم صرف اپنی آرزو بیان کررہے تھے لیکن یہ احمق تو مجھے چند باتیں بھی نہیں کرنے دیتا۔

دوسرے نے کہا، تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔ اس شخص کی حماقت دیکھیں کہ بھیڑئے نے ابھی اپنا کام شروع ہی نہیں کیا اور یہ شخص اپنے جانی رفیق کو اپنے ریوڑ پر قربان کررہا ہے۔

نووارد نے کہا، بہت بہتر! ان باتوں کو چھوڑو اور مجھے اپنی داستان شروع ہی سے بتاؤ۔ جب انہوں نے اپنا قصہ شروع سے آخر تک بیان کیا تو اس نے کہا، تم دونوں احمق اور جاہل ہو اور خواہ مخواہ جھگڑا مول رہے ہو۔ آخر دو تین بھیڑ بکریوں کی کیا حقیقت ہے کہ کوئی شخص ان کیلئے اپنا خون خراب کرے۔ اس کے بعد پہلے شخص کو دیکھتے ہوئے کہا، تمہیں چاہیے تھا کہ بھیڑ بکریوں کے بجائے اونٹوں کے گلے کی خواہش کرتے جن کی اون بھی زیادہ ہے، دودھ اور قیمت بھی زیادہ ہے اور بھیڑیئے بھی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

دوسرے نے کہا، خوب! میں بھی ہاتھیوں کے گلّے کی خواہش کرتا ہوں تا کہ ان کے ذریعے اونٹوں پر حملہ کرسکوں۔

نو وارد نہایت بے صبر تھا اس لئے ان کی باتوں سے پریشان ہوگیا اور کہنے لگا، اس خبیث، بے شعور کو دیکھو، خواہ مخواہ جھگڑا مول لینا چاہتا ہے میں دس ہاتھیوں کا مقابلہ کرسکتا ہوں اور انہیں مکوں سے مار مار کر زمین پر ڈھیر کرسکتا ہوں۔

دوسرے نے کہا، تم غلط کام کر رہے ہو، ایسے جھگڑے میں جس میں تمہارا مال اور ملکیت نہیں ہے دخل اندازی کیوں کرتے ہو؟

نو وارد نے کہا، میں نے جو کچھ کہا ہے، وہی دُرست ہے، اگر تم میری باتیں کاٹنا چاہتے ہو تو تمہارے کان کھینچ کر تمہیں انسان بنا سکتا ہوں۔ یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھا اور دوسرے شخص کا کان پکڑ لیا۔ پہلے کی غیرت کی رگ جوش میں آگئی اور نو وارد سے کہنے لگا، معلوم نہیں تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟

نو وارد نے کہا، عجیب جاہل انسان ہو! میں تمہاری صلح کرانا چاہتا ہوں لیکن تم مجھ سے بھی لڑتے ہو۔

نو وارد نے کہا، پہلے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بل دینے لگا۔

دوسرا شخص بھی اپنی جگہ سے اُچھلا اور نو وارد کو گلے سے پکڑ لیا اور کہا، دیکھو جناب! ہم جیسے بھی ہیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں لیکن تم مسافر اور ناواقف ہو اور نہ ہی ہمارے حلیف ہو۔

پہلے اور دوسرے نے کہا، ہم تجھے ایک صحرا کا پتا بتاتے ہیں جہاں جا کر تم لطف اُٹھاؤ گے۔ یہ کہتے ہی دونوں احمق اس سے دست و گریباں ہوگئے اور زور آزمائی کرنے لگے۔ کچھ دیر کی لڑائی کے بعد تیسرے نے کہا مار پیٹ سے قبضہ نہیں ہوتا۔ تم نے خیال کیا ہے کہ یہ شہر ہرات ہے لیکن تمہاری سوچ غلط ہے، شہر بلخ کی عدالت قریب ہے۔ میں تمہیں قاضی کے پاس لے جاتا ہوں تا کہ تمہارا انصاف کرے۔

دونوں اشخاص نے کہا، آؤ تا کہ چلیں۔ ہمیں تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے لیکن تو نے خواہ مخواہ ہمیں مارا ہے۔

جب بلخ کے قاضی کی عدالت میں پہنچے تو تینوں نے شکایت کی ۔ایک نے کہا،اس نے مجھے مارا ہے،دوسرے نے کہا،اس نے مجھے مارا ہے۔

قاضی نے پوچھا،تم کس بات پر جھگڑے تھے؟انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔

جب قاضی نے تینوں کی باتیں سنیں تو کہا بہت خوب! بہتر ہوگا کہ بھیڑ بکریوں ،بھیڑیوں اونٹوں اور ہاتھوں کو حاضر کیا جائے تا کہ دیوان بلخ کا فیصلہ سنایا جائے۔

انہوں نے کہا،بھیڑ،بکریاں،بھیڑیئے،اونٹ اور ہاتھی تو موجود نہیں ہیں ہم تو فقط ان کی آرزو کر رہے تھے۔

قاضی نے کہا،بہت خوب! جوانوں کیلئے کسی چیز کی آرزو کرنا بری بات نہیں ہے لیکن ہر کام کا حساب اور اندازہ ہوتا ہے۔ تم نے آپس میں جھگڑا کیا ہے اس لئے میں تینوں کو قید خانے بھیجتا ہوں ، یا اپنا ضامن دو اور تمام جانوروں کو حاضر کرو تا کہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ کر فیصلہ کریں اور بے گناہ اور گنہگار کو پہچانیں۔

انہوں نے کہا،بہت بہتر! ہم قید خانے جانے کیلئے تیار ہیں۔

قاضی نے کہا،شاید تم نے سوچا ہوگا کہ قید خانے میں مفت روٹی ملتی ہے۔بہتر ہوگا کہ تم خود ہی ایک دوسرے کے ضامن بن جاؤ اور جا کر اپنے اپنے جانور لے آؤ تا کہ باقی کاروائی کی جائے۔

جاہلوں نے محسوس کیا کہ جان کی خلاصی کا اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ ایک دوسرے کے ضامن بن گئے اور بھیڑ بکریاں اور دوسرے جانور لانے کیلئے چل دیئے لیکن وہ دن اور آج کا دن!

ابھی تک انہیں اپنی آرزو اور مراد نہیں ملی۔

عقلمندی

دو عقلمند شخص ایک رستہ پر جا رہے تھے ایک کی منزل قریب تھی اس لئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ جب ایک دوسرے سے ملے تو پیچھے سے آنے والے نے سلام کیا اور دوسرے نے جواب دیا۔ پیچھے سے آنے والا شخص پھیری میں مال بیچتا تھا اس لئے اب بھی کئی چیزیں بیچنے کے لئے دوسرے شہر لے جا رہا تھا تا کہ ان کے بدلے نئی چیزیں خرید لائے۔ جب وہ آگے چلنے والے شخص سے ملا تو سلام علیک کے بعد پوچھا، تم بھی شاید جابلقا جا رہے ہو؟ آگے چلنے والے نے کہا، مجھے معلوم نہیں ہے، شاید......

پیچھے سے آنے والے نے حیرت سے کہا، ظاہر ہے کہ ہم دونوں جابلسا سے آ رہے ہیں اور جابلقا جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ رستہ وہیں جاتا ہے اگر ہم آہستہ چلے تو دیر ہو جائے گی اور رات آ جائے گی۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ قدرے تیزی سے چلیں۔ ہاں! جو شخص جابلقا نہیں جاتا یہ رستہ اختیار نہیں کرتا۔

آگے چلنے والے کو بات کرنے کیلئے ایک موضوع مل گیا تھا اس لئے خوش ہو کر کہا ہاں! واقعی ہمیں تیز چلنا چاہیے لیکن میری منزل جابلقا نہیں ہے، میری منزل سمجھنا اور سیکھنا ہے۔ میں حکمت اور دانائی کی تلاش میں ہوں۔ چاہے جہاں بھی ہو، میں اس لئے آہستہ چل رہا تھا کہ غور و فکر کروں۔ کتنا بہتر ہوگا کہ انسان کسی دانا شخص سے ملے اور اس سے زندگی کے اسرار پوچھے۔

پیچھے سے آنے والے نے کہا، خوب! لیکن کامل انسان بہت کم ہیں اور زندگی کے اسرار سب لوگ نہیں جانتے۔ ظاہری طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی کچھ نہیں جانتا، اس لئے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت کچھ جانتے ہیں وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کچھ نہیں جانتے لیکن تم اس لق و دق صحرا میں اکیلے اور بے مقصد کیا تلاش کر رہے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ حکمت اور دانائی شہر میں موجود نہیں ہے اور کامل انسان شہروں سے چلے گئے ہیں؟

آگے جانے والے نے کہا، شہر کی گہما گہمی میں ہر شخص پیٹ کی فکر میں رہتا ہے لیکن میں تو حقیقت کو تلاش کر رہا ہوں۔

پیچھے سے آنے والے نے کہا، تو نے نہایت مشکل رستہ اختیار کیا ہے گویا تم حکمت، معرفت، زندگی کے اسرار اور حقیقت کی تلاش میں ہو لیکن مجھے اس بات کے پوچھنے کی اجازت دو کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟

آگے والے نے کہا، کام! پیشہ! مجھے جب تک حقیقت کا علم نہ ہوگا، کوئی پیشہ اختیار نہ کروں گا۔ یہی وجہ ہے کہ دور دراز کا سفر میرے سامنے ہے۔

پیچھے سے آنے والے نے اپنے دل میں کہا، خدایا! یہ کس قسم کا انسان ہے اگر اس نے دور دراز جانا ہے تو پھر کس لئے آہستہ چلتا ہے اس کے بعد کہا، بہت بہتر! کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنا بہترین کام ہے لیکن جب تک انسان دوسروں سے مل کر نہ رہے وہ حقیقت کو کیسے پاسکتا ہے؟ جو لوگ کامل انسان ہیں وہ تو لوگوں کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی شغل اور پیشہ بھی ہے اور حقیقت کو بھی پہچانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ہی دیکھ لو۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام معمار تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام گڈریا تھے، حضرت داؤد علیہ السلام لوہار، حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسان تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوداگر تھے۔ کوئی شغل اختیار کرنا حکمت اور معرفت سیکھنے میں مانع نہیں ہوتا، پس تم اپنی زندگی کیسے گزار رہے ہو کہ تمہارا کوئی پیشہ نہیں ہے۔

آگے جانے والے نے کہا، میرا کوئی پیشہ نہیں ہے۔ اگر مجھے کچھ مل جائے تو کھا لیتا ہوں اگر کچھ نہ ملے تو صبر کرتا ہوں۔

پیچھے سے آنے والے نے کہا، ظاہری طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے غلط رستہ اختیار کیا ہے اس لئے کہ کامل انسان اس رستہ سے نہیں جاتا۔

آگے جانے والا تعجب سے اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا صبر کرو تاکہ میں بھی دیکھ لوں کہ تجھے کس طرح معلوم ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم کچھ نہ کچھ جانتے ہو لیکن بتانے سے انکار کر رہے ہو۔

پیچھے آنے والے نے کہا، چلتے چلتے کھڑا ہو جانا ہمراہی کی رسم نہیں ہے آؤ تاکہ چلتے ہوئے باتیں بھی کریں اگر رک گئے تو منزل پر نہ پہنچ سکیں گے۔ دیر ہو جائے گی اور رات کو بیابان میں ٹھہرنا عقلمندی نہیں ہے لیکن میرے پاس کوئی نئی بات نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی بات قدرے تبدیل کر کے بیان کر دی ہے، تو نے زندگی کے اسرار و رموز اور حکمت و دانائی کی باتیں کی ہیں اس لئے ہر شخص کو ایسا رستہ اختیار کرنا چاہئے جس سے اپنا مقصد حاصل کر سکے لیکن تو نے کہا ہے کہ اگر مل جائے تو کھا لیتا ہوں، اگر نہ ملے تو صبر کرتا ہوں معاف کرنا! انسان کامل بلکہ ناقص انسان بھی اس طرح نہیں کرتا یہ تو جانوروں کا رستہ ہے کہ گر انہیں مل جائے تو کھا لیتے ہیں ورنہ صبر کرتے ہیں بلکہ کتا بھی یہی کام کرتا ہے۔

آگے جانے والے نے نہایت ہی غور سے اسکی آنکھوں میں جھانکا اور پوچھا، پس تمہارے عقیدہ کے مطابق کامل انسان کیا کرتا ہے؟

پیچھے سے آنے والے نے کہا، کامل انسان تک پہنچنے کیلئے کافی رستہ باقی ہے لیکن عام آدمی بھی چلتے چلتے نہیں رکتا بلکہ رستہ ہی میں اپنے مقصد کے حصول کیلئے کوشش کرتا ہے۔ تلاش کرتا ہے اور اپنی ہمت کے مطابق زندگی کیلئے سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ جس سے خود

بھی استفادہ کرتا ہے اور دوسروں کی خوش بختی کیلئے بھی صرف کرتا ہے لیکن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اور صبر کرنا کسی درد کی دوا نہیں ہے انسان کیلئے ضروری ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے شکر کرے اور جس چیز کی اسے خواہش ہے اس کیلئے کوشش کرے بس یوں سمجھ لو کہ حکمت اور دانائی کا سرچشمہ کوشش اور تلاش میں پوشیدہ ہے۔

آگے جانے والے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، دُرست ہے۔ مجھے بھی تمہاری باتیں پسند ہیں، تمہاری باتوں سے معرفت کی بو آ رہی ہے لیکن حکمت بہت قیمتی چیز ہے اور تم حکمت کی توہین کر رہے ہو اگر کوئی شخص حکمت حاصل کر لیتا ہے تو تمہاری طرح وزنی گٹھڑی اپنے کندھے پر نہیں اُٹھاتا۔ تم سمجھتے ہو گے کہ شاید گٹھڑی اُٹھانا اور مارے مارے پھرنا بھی حکمت ہے۔

پیچھے سے آنے والا ہنسا اور کہنے لگا، نہیں میرے بھائی! خدا نہ کرے کہ میں ایسا دعویٰ کروں۔ میری گٹھڑی سوتی کپڑے اور دوسری اجناس سے بھری ہے۔ میں انہیں بیچنے کیلئے جابلقا جا رہا ہوں۔ وہاں سے انگور کا شیرہ خرید کر جابلسا فروخت کروں گا۔ میں اسی خرید و فروخت سے اپنی بیوی بچوں کی گزر بسر کرتا ہوں۔

آگے جانے والے نے کہا، بیوی بچوں پر اس کا احسان نہ جتاؤ، وہ تجھ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتے۔ تمہاری بیوی باتوں اور اچھے دِنوں کی آرزو کے سہارے زندگی بسر کر رہی ہے تمہارے بچے مٹھائی کھانے اور کھیل کود میں وقت گزار رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روزی کھا رہے ہیں وہ بھی اسی طرح جوان ہو جائیں گے لیکن گٹھڑی اُٹھانا اور دوڑنا تو لالچ کی نشانی ہے اور لالچ ہی معرفت کے رستہ کا پتھر ہے۔

پیچھے سے آنے والے نے پوچھا، کیا تمہارے بیوی بچے نہیں جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔

آگے چلنے والے نے کہا، اگر نہیں ہیں تو تم کیا سمجھو گے۔

پیچھے سے آنے والے نے کہا، مجھے تعجب تو اس بات کا ہے کہ تمہارے بیوی بچے بھی ہیں لیکن پھر بھی نہیں سمجھتے۔ یقین کرو میں نہیں چاہتا تھا کہ تم سے ایسی باتیں کروں۔ اب ہم پھر حیوانات کی زندگی کی طرف لوٹتے ہیں۔ صرف بلیوں کو ہی دیکھ لو آخر انہیں بھی روزی مل جاتی ہے۔ انہیں بھی اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں سے کھیلتی بھی ہیں، چھیچھڑوں کے خواب بھی دیکھتی ہیں لیکن انہیں آنے والے دن کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اس لئے میرے عزیز! آدمی کیلئے ضروری ہے کہ گٹھڑیاں اُٹھائے اسلئے کہ وہ بچوں کی پرورش اور انکی تربیت کیلئے جوابدہ ہے۔ دنیا کے مسائل اتنے سادگی سے حل نہیں ہوتے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو اب تو آہستہ آہستہ مجھے شک ہو رہا ہے کہ تم سست اور کاہل انسان ہو بلکہ معرفت، حکمت اور جستجو کی باتوں سے اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ بہر حال مجھے بتاؤ کہ تم نے کتنا سبق پڑھا ہے؟

آگے جانے والے نے کہا، سبق اور چیز ہے اور حکمت اور چیز ہے اگر اچانک کسی کا دل حکمت کے نور سے روشن ہو جائے تو سو مدرسے بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

پیچھے سے آنے والے نے کہا، مجھے جو شک تھا اب یقین میں تبدیل ہو گیا ہے۔ یہ تو سست اور کاہل لوگوں کی باتیں ہیں۔ کوئی شخص محنت کے بغیر دانش اور حکمت نہیں پا سکتا۔ اگر نادان بھی کامل انسان کے رُتبہ پر پہنچ جائے تو اپنے مرتبہ سے انصاف نہ کر سکے گا۔

آگے جانے والے نے کہا، گویا تو نے چند سبق پڑھ رکھے ہیں اس لئے مغرور ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی ان پڑھ کو بھی حکمت اور دانائی سکھا سکتا ہے۔

پیچھے آنے والے نے کہا، لیکن اللہ تعالیٰ ایسی بات ہرگز نہیں چاہتا، وہ شخص جو اپنے زمانے کا افلاطون تھا اس نے بھی سقراط کے مکتب میں سینتیس سال سبق پڑھا تھا۔

آگے جانے والے نے کہا، ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی سبق نہیں پڑھا لیکن سینکڑوں استادوں کو مسائل لکھا اور سمجھا دیتے تھے۔

پیچھے آنے والے نے کہا، ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں واحد ہستی تھے بلکہ یہ ایک الگ بات ہے لیکن جو چیز دنیا میں انسان کے کام آتی ہے وہ عقل اور سمجھ ہے جس کے بارے میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، گہوارہ سے قبر تک علم و دانش حاصل کرو۔ اس ترتیب سے اگر تم اسی طرح بے مقصد، بے خیال اور بیکار رہ کر حکمت کی تلاش میں جنگل اور صحرا میں بھٹکتے رہو گے تو کمالیت کے درجہ پر نہ پہنچ سکو گے بلکہ اپنے بچوں کو بھی میرے بچوں کا محتاج بنا دو گے۔

آگے جانے والے نے پوچھا، تمہارے بچوں کا محتاج کس طرح؟

پیچھے سے آنے والے نے کہا، اس لئے کہ جب تمہیں عقل و دانش کی تلاش کا رستہ معلوم نہ ہوتا تو بچوں کو بھی دُرست رستہ پر نہ چلا سکو گے لیکن میرے بچے عقل و دانش کی تلاش میں ہیں اس لئے اپنی قابلیت کے مطابق اسے حاصل کر لیں گے اور کل تمہارے بچوں پر سرداری کریں گے۔

آگے جانے والے نے کہا، اے بھائی! اب جبکہ ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ عقیدت کے طور پر اسے دباؤں اور اپنی پیشانی آگے بڑھاؤ تاکہ اسے بوسہ دوں۔ مجھے تمہاری تلاش تھی اور میں نے تجھے پا لیا ہے تو نے جو کچھ کہا ہے عقلمندی یہی ہے اب مجھے اس رستہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور یہیں سے واپس لوٹتا ہوں تاکہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کروں اور انہیں خوش بخت بناؤں۔

دیا سلائی کی تیلی

کسی گاؤں میں عام لوگوں کے استعمال میں ایک حمام تھا جسکے بانی کو کوئی نہیں پہچانتا تھا۔لوگوں کو جہاں تک یاد تھا یہ حمام موجود تھا اوراس پر کسی کی ملکیت نہ تھی بلکہ سب کی ملکیت تھی۔لوگ حمام میں جاتے اور جب باہر نکلتے تو کہتے اللہ تعالیٰ اس کارخیر کے بانی کی بخشش کرے جس شخص نے پہلے دن حمام بنایا تھااس کی خواہش بھی یہی تھی کہ اللہ تعالی اسے اس کارخیر کا نیک بدلہ عطا کرے۔

اس پرانی طرز کے حمام کے مانند آج بھی کئی دیہات میں حمام بن چکے ہیں جن کی تیاری کیلئے زیادہ خرچ کی ضرورت نہیں ہے صرف پانی اوراس کے گرم کرنے کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔صفائی بھی خود کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ثواب اوراجر کے معتقد ہیں۔

حمام کیلئے چشمہ سے پانی آتا تھا جو سارے گاؤں کی ملکیت تھی لیکن اسے گرم کرنے کیلئے ایندھن کی ضرورت تھی اور یہ کام بھی رات کو کرنا پڑتا تھا جس کیلئے ایک شخص نے کمر ہمت باندھ رکھی تھی۔ یہ شخص گاؤں والوں سے فصل کاٹتے وقت یا کھیلان پر اپنی مزدوری وصول کرتا تھا اوراسے گندم اور جو مناسب مقدار میں مل جاتے تھے، ایندھن کیلئے لکڑی کے بجائے خشک گھاس، چنار کے پتے اور کانٹے دار جھاڑیاں استعمال کئے جاتے تھے چونکہ اکثر لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی تھا ان کے پاس حمام میں جلانے کیلئے جتنا خس وخاشاک ہوتا، الگ رکھ دیتے۔

موسم خزاں اور پت جھڑ کے وقت جب چنار اور دوسرے درختوں کے پتے جھڑتے اور خشک ہوجاتے تو باغات میں جھاڑ دیتے اورحمامی کواطلاع دیتے جو اسے اُٹھا کرلے جاتا تھا۔حمام کی پچھلی طرف اسی ایندھن کا ڈھیر لگا تھا جہاں سے ضرورت کے مطابق پانی گرم کیا جاتا تھا۔

یہ حمام ایک تہہ خانہ میں بنایا گیا تھا تاکہ چشمہ کا پانی اس طرف آسانی سے آسکے۔حمام کے درمیان تانبے کی ایک بڑی سی دیگ رکھی گئی تھی جسکے نیچے آگ جلا کر پانی گرم کیا جاتا تھا۔حمام کے پچھلی طرف اینٹوں کی سیڑھی بنی تھی جسکے ذریعے حمامی ایندھن لیجاتا اور دیگ کے نیچے جلاتا تھا۔حمام میں داخل ہونے کے دو رستے تھے جو ایک دوسرے سے الگ تھے لیکن ایک رستہ کو بڑا حمام اور دوسرے کو چھوٹے حمام کا نام دیا گیا تھا لیکن ان کیلئے پانی ایک ہی دیگ میں گرم ہوتا تھا۔

جب بڑے حمام کا پانی گرم ہوتا تو چھوٹے حمام کا پانی بھی اسی دیگ سے استعمال کیا جاتا تھا۔ بڑا حمام صبح سے آٹھ بجے تک مردوں کیلئے مخصوص تھا لیکن چھوٹا حمام عورتوں کے استعمال میں آتا تھا۔اسی طرح جمعہ کے دن بڑا حمام سارا دن مردوں کے استعمال میں رہتا تھا۔حمام میں نہانے دھونے کی مزدوری کا رواج نہ تھا جونہی پانی گرم ہوتا لوگ اپنے کپڑے لے کر پہنچ جاتے اور نہانے دھونے میں مصروف رہتے۔انہیں اپنے کپڑوں کی حفاظت کیلئے کسی محافظ کی ضروت نہ تھی اس لئے کہ سب لوگ دیندار اور

دیانتدار تھے اس لئے انہیں دوسروں کے لباس اور اثاثہ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہاں! ایسی زندگی کتنی عمدہ ہوتی ہے جہاں سب لوگ دیانتدار ہوں اور انہیں معلوم بھی ہو کہ یہاں کوئی محافظ نہیں ہے اور پھر بھی دوسروں کے مال کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیں۔

جب تک یہ زنانہ اور مردانہ حمام موجود تھا اس میں زنانہ اور مردانہ خدمت گار بھی موجود تھے لیکن ان کا حمامی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ اس محلہ کے باشندے تھے سب انہیں پہچانتے تھے اور لوگوں سے اپنی مزدوری وصول کرتے تھے بعض لوگ انہیں نقد رقم دیتے، بعض گندم، جَو، آٹا یا میوہ جات وغیرہ۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا کہ بدقسمتی سے دیگ میں سوراخ ہوگیا متفرق اخراجات کیلئے جتنی رقم موجود تھی سب خرچ ہوگئی اس لئے تہہ خانہ پانی سے بھر گیا اور حمام بند ہوگیا وہ بھی ایسے وقت جب سردیاں آنے کو تھیں اور حمام کی اشد ضرورت تھی۔

حمامی ایک قلعی گر کو لے آیا تاکہ دیگ کی مرمت کرے۔ قلعی گر نے کہا، دیگ کا تلوا بوسیدہ ہے، میں اس کی مرمت نہیں کرسکتا۔ بہتر ہوگا کہ معمار آکر اسے اپنی جگہ سے اُکھیڑے تاکہ اسے اپنی دکان پر لے جاکر مرمت کروں۔ حمامی معمار اور ایک دوسرے کاریگر کو بھی لے آیا جنہوں نے کہا، اس دیگ کی پہلے بھی چونے سے مرمت کی گئی ہے۔ اسلئے اسکی دوبارہ مرمت کرنا ممکن نہیں ہے اگر ہم نے اسکی مرمت کردی تو ممکن ہے دیرپا نہ ہو اور دوبارہ پانی رسنے لگے جبکہ خرچ بھی زیادہ ہوگا۔ حمامی نے کہا، سردیاں آنے کو ہیں اور حمام کا ہونا بہت ضروری ہے جو کام مناسب سمجھتے ہو شروع کرو۔

حمامی کے پاس دیگ کی مرمت کیلئے کوئی رقم نہ تھی اسلئے رات کو مسجد میں آکر پیش امام کو سارا واقعہ بتایا اور امداد کی درخواست کی۔

مسجد لوگوں کے کاموں کی مشکل کشا تھی جہاں لوگ مل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے مل کر کام کرتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ پیش امام نے حمامی سے کہا، تم نے خرچ کا تخمینہ لگایا ہوگا کہ کتنی رقم کی ضرورت ہوگی؟

حمامی نے کہا، قلعی گر اور دوسرے کاریگروں نے جب دیگ کو اپنی جگہ سے اُکھیڑا تھا تو صاف نظر آرہا تھا کہ اس کا تلوا جھڑ گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں بہتر ہوگا کہ اس کا نیا تلوا لگایا جائے جس پر تین ہزار تومان خرچ ہوں گے۔

پیش امام نے جب یہ سنا تو کہنے لگا، کیا مناسب نہ ہوگا کہ دیگ کی مرمت کے علاوہ ایک دوسرا کام بھی کرلیا جائے وہ یہ کہ حمام کی تعمیر بھی ازسرنو کی جائے تاکہ حمام کیلئے صاف پانی میسر ہوسکے اور کسی آلودگی کا خطرہ نہ ہو۔ جب ان کاریگروں نے موقع پر جاکر دوبارہ دیکھا اور تخمینہ لگایا تو کہنے لگے، سارے کام کیلئے دس ہزار تومان کی ضرورت ہے۔

امام مسجد نے رات کو اہل محلّہ سے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ حمام کی تعمیر کتنی ضروری ہے۔ ہم نے اس کار خیر کیلئے اسی جگہ ایک صندوق رکھ دیا ہے جو شخص اس کار خیر میں حصہ لینا چاہے اور اس کے پاس نقد رقم موجود ہو تو صندوق میں ڈال دے لیکن جس کے پاس نقد رقم موجود نہیں ہے اور بعد میں دینے کا وعدہ کرے تو اپنی رقم مسجد کے خادم کے پاس جاکر لکھا دے۔

لوگ جب اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے کسی کار خیر میں لگ جاتے ہیں تو نہ دینے والے بھی دینے والے بن جاتے ہیں۔
بہر حال بہت ہی جلد نقد اور وعدہ شدہ رقم دس ہزار تومان تک پہنچ گئی اور حمام کی تعمیر کا آغاز ہوگیا۔ لیکن جونہی آدھا کام مکمل ہوا تو معمار نے کہا ایک ستون یہاں ہوگا ایک چھوٹ دیوار وہاں بنائی جائیگی اور ایک یہاں۔ سوا ینٹیں اس کونے میں اور سواس کونے میں خرچ ہونگی۔ ایک بوری چونا دونوں جگہوں کیلئے کافی ہوگا۔ پانی کا رستہ دوسری طرف ہوگا تاکہ زائد پانی حوض کی طرف چلا جائے۔ یہاں لوہار کا کام ہے جو پانی کی رُکاوٹ کیلئے آہنی تختے لگائے گا اگرچہ آدھا کام مکمل ہے لیکن باقی کام کیلئے بیس ہزار تومان ضرورت ہوں گی۔

سردیاں آنے کو تھیں اور لوگوں کو حمام کی فوری ضرورت تھی محلّہ کا ایک سفید ریش شخص دوڑ کر امام مسجد کے پاس پہنچا اور کہا ہمارے گاؤں میں چودہ آدمی نہایت مالدار ہیں جو بُرے انسان نہیں ہیں۔ بہتر ہوگا کہ باقی اخراجات کیلئے ان سے امداد لی جائے اگر ان میں سے کچھ نے امداد نہ کی تو باقی لوگ امداد کریں گے۔ اُمید ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے باقی کام مکمل ہو جائے گا۔ ہاں! نیک لوگوں کی مدد سے اس صدقہ جاریہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔

سب مل کر بیٹھ گئے اور انہی اہل ثروت اشخاص کا نام لینے لگے۔ ایک نے کہا، فلاں شخص کے ناخن پر اگر لاٹھی کی ضرب بھی لگائی جائے تو ایک دِرہم بھی نہ دے گا۔ فلاں شخص بھی ایسا اور ویسا ہے اور فلاں کو بھی اطلاع دینی چاہئے لیکن سب سے بہتر حاجی مرزا اسماعیل ہے وہ نہایت ایماندار اور خدمت گار ہے بلکہ اس کام کے بانیوں کی طرف مدد بھی کرے گا۔ پس بہتر ہوگا کہ پہلے یہاں آدمی بھیجا جائے اس کے بعد وہاں اور سب سے آخر میں وہاں……

دو آدمیوں کو مرزا اسماعیل کے گھر بھیجا گیا تاکہ تمام واقعہ بتا کر امداد کی درخواست کریں اور کہیں کہ اگر اس کار خیر میں اپنا ہاتھ بلند کرنا چاہتے ہو تو یہی وقت ہے اور دیر بھی نہ کرو۔ مرزا اسماعیل کا گھر آخری کوچے میں ایک باغ سے گھرا ہوا تھا اور سب کو معلوم تھا کہ اگر وہ اکیلا بھی چاہے تو تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ دونوں قاصد رات کے پہلے حصے آئے اور مرزا کے باغ کے دروازے پر دستک دی باغبان نے دروازہ کھولا اور کہا آؤ اس کمرے میں بیٹھو تاکہ مرزا کو اطلاع دوں۔

مرزا اسماعیل کا مہمان خانہ نہایت خوبصورت کمرہ تھا جس کے پچھلی طرف اس کا اپنا رہائشی مکان تھا۔ دونوں قاصد مرزا کے انتظار میں کرسیوں پر بیٹھ گئے لیکن انہیں محسوس ہوا کہ مرزا ساتھ والے کمرے میں بیٹھا ہے اور اپنے بیٹے سے سختی سے باتیں کر رہا ہے اور نہایت غصہ میں ہے اسلئے قاصدوں نے ایک دوسرے سے کہا، شاید ہم غلط وقت پر آئے ہیں لیکن ہمارے کام کی نوعیت کار خیر ہے مرزا گھر میں اپنے لڑکے سے باتیں کر رہا تھا جس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قاصد اس طرح بیٹھے رہے اور سنتے رہے کہ

مرزا اپنے بیٹے سے کہہ رہا ہے۔ آخر میرے عزیز! میں نے چند مرتبہ تجھے کہا ہے کہ دیا سلائی کی تیلیاں دور نہ پھینکو۔ کیا میں نے یہ پیالہ طاقچہ میں اس مقصد کیلئے نہیں رکھا تھا اور نہیں کہا تھا کہ جب چراغ جلاؤ تو تیلی پیالے میں ڈال کر انہیں جمع کرتے رہو لیکن تم تو میری بات پر مطلق دھیان نہیں دیتے اور فضول خرچی کرتے ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ جب تو نے چراغ جلایا تو دیا سلائی کی تیلی کہاں پھینک دی؟

لڑکا چھوٹا تھا اسلئے شرمندگی سے کہنے لگا، بابا! خدا کی قسم یاد نہ رہا، معلوم نہیں میں نے اسے کہاں پھینکا ہے۔ بہر حال میں نے اسے فرش پر نہیں پھینکا میں نے اسے بجھا دیا تھا۔ شاید باغیچہ میں پھینکا ہو۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ اگر اس میں آگ ہو تو فرش جلا دیتی ہے۔

باپ نے کہا، میرے بچے! آگ کے متعلق نہیں پوچھ رہا؟ میرا مقصد یہ ہے کہ دیا سلائی کی تیلی دُور نہیں پھینکنی چاہئے۔ یہ اِسراف اور گناہ ہے میں کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ زندگی کا ایک حساب، قاعدہ اور قانون ہے۔ جب میں تمہاری تمام ضروریات پوری کرتا ہوں تو تجھے بھی چاہئے کہ میری باتوں پر عمل کرو۔

جب میں کہتا ہوں کہ تیلیاں دُور نہ پھینکو اور انہیں جمع کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک بات کا علم ہے جسے تم نہیں جانتے۔ باپ بیٹے کی گفتگو جاری تھی کہ دونوں قاصدوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم غلط جگہ پر آ گئے ہیں۔ دوسرے نے کہا، میرا بھی یہی خیال ہے۔ یہ بندۂ خدا کتنا کنجوس دِکھائی دیتا ہے کہ ایک جلی ہوئی تیلی کی خاطر اپنے بیٹے کے در پے آزار ہو گیا ہے اور نیچے پھینکنے کو اِسراف سمجھتا ہے ہمیں تو اُمید نہیں ہے کہ محلّہ کے حمام کیلئے ہماری مدد کرے۔

دوسرے شخص نے کہا، خدا نہ کرے کہ اس قسم کے شخص سے ہم کوئی اُمید وابستہ رکھیں۔ تم خود ہی اندازہ کرو کہ اس کے بیوی بچے اس گھر میں کتنی سختی برداشت کر رہے ہوں گے!

دوسرے نے کہا، میرے خیال میں بہتر ہوگا کہ یہاں سے جلد چلے جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مرزا اسماعیل ہمیں مارے پیٹے اور گھر سے نکال دے اس لئے اُٹھو تاکہ بھاگ نکلیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر اس کے پاس ڈھیروں جواہرات بھی ہوں تو کسی کو ایک دمڑی بھی نہ دے گا۔ اب اٹھو تاکہ چل پڑیں۔

دونوں قاصد کھڑے ہو گئے تاکہ باغبان سے عذر کریں اور جس رستہ سے آئے ہیں اسی سے لوٹ جائیں لیکن باغبان نے حاجی اسماعیل کو اطلاع دی تھی کہ مہمان آئے ہیں اس لئے حاجی اسماعیل بھی مہمان خانے کی طرف آ رہا تھا اس لئے ان کی ملاقات دروازہ پر ہی ہو گئی۔

مرزا نے پہل کرتے ہوئے سلام کیا اور کہا تشریف رکھیں۔ تم کس لئے کھڑے ہو؟ میں تمہاری خدمت میں موجود ہوں۔ خوش آمدید! میری درخواست ہے کہ بیٹھ جائیں۔ ابھی بچہ کھانے پینے کیلئے کچھ لاتا ہوگا۔

قاصدوں نے کہا، نہیں جناب حاجی! کسی تکلیف اور تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت ہم ایک مقصد کیلئے آئے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم غلط وقت پر آئے ہیں اس لئے معافی چاہتے ہیں اور جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔

مرزا نے کہا، کیا آپ کس مقصد کیلئے آئے تھے؟ میں آپ کے سامنے موجود ہوں، حکم کریں۔ معلوم ہوتا ہے اس سادہ لوح باغبان نے تمہیں ناراض کردیا ہے مثلاً کہا ہوگا کہ مرزا غصہ میں ہے یا اس قسم کی کوئی دوسری بات وغیرہ...... ہاں! کچھ دیر پہلے میں اس سے جھگڑ چکا ہوں آج یہ نیا جھاڑو خریدنے گیا تھا اور پرانا جھاڑو کوچے میں پھینک دیا ہے۔

میں نے اس سے کہا، اے نیک بخت! تو نے نیا جھاڑو خریدا ہے اور اچھا کام کیا ہے لیکن پرانا جھاڑو گلی میں پھینک دیا ہے جو برا کام ہے۔ اگر وہ گھر میں کام نہیں دے سکتا تھا لیکن باغ میں تو کام آسکتا تھا یا اسے خشک پتوں اور ٹہنیوں پر ڈال دیتے تاکہ ایندھن کے ہمراہ حمام میں جلانے کے کام آتا۔ بہرحال میں معافی چاہتا ہوں، میں نہ تو غصہ میں ہوں اور نہ ہی ناراض! لیکن تمہیں ایسے ہی نہ جانے دوں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کا کیا حکم ہے؟ اگر تم اب بھی سمجھتے ہو کہ غلط وقت پر آئے ہو تو پھر بھی جب تک شربت اور میوہ جات نہ کھاؤ پیو گے، تمہیں جانے کی اجازت نہ ہوگی اس لئے بہتر ہوگا کہ بیٹھ جائیں۔

دونوں قاصد مجبوراً بیٹھ گئے۔ مرزا اُٹھ کر اندر چلا گیا اور اپنے لڑکے کے ہمراہ جلد لوٹ آیا۔ لڑکے نے سلام کیا اور چائے اور مٹھائی کا تھال رکھ کر چلا گیا۔ چائے کے بعد حاجی مرزا نے پوچھا، ہاں! بتاؤ کیا موضوع ہے؟ اسے اپنا ہی گھر سمجھو اور میں اسماعیل ہوں تمہارا مخلص اور فرمانبردار ہوں۔

ایک قاصد نے کہا، جناب! ہمارا کوئی ذاتی کام نہیں ہے۔ ہم قاصد ہیں اور ایک خیراتی کام کیلئے آپ کی امداد کے خواہش مند ہیں لیکن جب یہاں آئے تو ہمیں محسوس ہوا کہ خواہ مخواہ آپ کے آرام میں مخل ہوئے ہیں اس لئے شرمندہ ہیں۔

مرزا نے کہا، یہ تو عجیب معاملہ ہے، آخر تم پشیمان کیوں ہو؟ ہم نے اس سے قبل ایک دوسرے کو نہیں دیکھا ہے لیکن اس طرح کیوں سوچ رہے ہو؟ انہوں نے کہا، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی بات کس طرح شروع کریں۔ ہم نہایت معذرت خواہ ہیں کہ آپ کے آرام میں مخل ہوئے ہیں۔

مرزا کہنے لگا، ہاں! میری سمجھ میں بھی نہیں آتا لیکن ایک چیز قابل غور ہے۔ اگر تم باغ کے دروازہ پر پشیمان ہوتے تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اب جبکہ یہاں آگئے ہو اور ہم نے ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرلی ہے تو تمہاری باتوں سے فکرمند ہوگیا ہوں بلکہ میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہورہے ہیں۔ تم میرے مسلمان بھائی ہو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھے پشیمان کرو اور بغیر کچھ کہے سنے چلے جاؤ۔ کیا میں دُرست نہیں کہہ رہا؟ اگر درست کہہ رہا ہوں تو اپنا پیغام بیان کرو اور اسکا جواب بھی لے جاؤ۔

ایک قاصد نے کہا، آپ کا حکم بجا ہے۔ جناب مرزا! موضوع یہ ہے کہ محلّہ کے حمام کی دیگ میں سوراخ ہوگیا ہے۔ معمار اور مستری آئے تھے جنہوں نے کہا ہے کہ اس کا تلوا بھی خراب ہے جو نا قابل مرمت ہے اس لئے یہ بھی طے کرلیا گیا ہے کہ حمام کی تعمیر بھی از سرنو کی جائے، ان کے اخراجات کیلئے مسجد میں کچھ رقم جمع کی گئی ہے لیکن ناکافی ہے اب ہمیں اسلئے بھیجا گیا ہے کہ آپ بھی دامے درمے سخنے امداد کریں تا کہ باقی ماندہ کام کی تکمیل ہو لیکن جب ہم یہاں آئے تو ہمیں خیال آیا کہ شاید آپ ہماری مدد نہ کریں۔

مرزا نے پوچھا، تمہیں یہ خیال کس لئے آیا ہے؟

انہوں نے کہا، شاید ہمیں شبہ ہوا ہے اور اس کی وضاحت نہیں کر سکتے بہر حال ہم قاصد ہیں اور پیغام بھی یہی تھا۔ ہم نہیں چاہتے کہ خدانخواستہ تمہیں ناراض کریں۔

مرزا نے پوچھا، اب کتنی رقم کی کمی ہے؟

انہوں نے کہا، دس ہزار تومان کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دس بارہ آدمیوں سے یہ رقم جمع کی جائے جن میں سے ایک آپ ہیں اور آپ کے پاس سب سے پہلے آئے ہیں۔

مرزا نے کہا، بہت بہتر! ایسے اخراجات کبھی کبھی ہوتے ہیں حمام خراب ہو جاتا ہے۔ پل ٹوٹ جاتا ہے، حوض کا پانی مدرسہ اور اس قسم کے دوسرے اخراجات آجاتے ہیں جن کی تعمیر اور مرمت کیلئے ہر شخص کا فرض بنتا ہے اور میرا بھی فرض ہے۔ اجازت دیں۔۔

مرزا اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلا گیا اور ایک تھیلی لے آیا اور کہا، جناب پیش امام صاحب اور دوسرے دوستوں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ مرزا نے اس کار خیر کیلئے تھوڑی سی رقم دی ہے۔ اب تمہیں مزید رقم کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ جو رقم جمع کی ہے یا دیگر امداد ملے گی اسے رکھ دینا تا کہ کسی دوسرے کار خیر میں کام آئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے پاس یہ زائد رقم موجود تھی۔

یہ دس ہزار تومان لے لو اور اس رسید پر دستخط کردو۔ والسلام

دونوں قاصد ایک دوسرے کو جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے رقم گنی اور رسید پر دستخط کر دیئے جو پہلے سے لکھی ہوئی تھی اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اجر عطا کرے۔

مرزا نے کہا، خوب! یہ کام تو ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم خالی ہاتھ اور پشیمان نہیں ہوئے۔ تمہاری ذِمہ داری یہی تھی اور میری ذمہ داری بھی یہی ہے۔ اب اگر چاہو تو اپنے پشیمان ہونے کی وجہ بھی مجھے بتا سکتے ہو لیکن میں تمہیں مجبور نہیں کرتا اس لئے کہ میں نہیں سمجھتا کہ میں نے کوئی قصور کیا ہے۔

ایک نے کہا، لیکن......

دوسرے نے اپنے ساتھی کی بات کاٹتے ہوئے کہا، جناب سچائی سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے جب ہم یہاں بیٹھے تھے تو آپ کی باتیں سن رہے تھے جو آپ اپنے بیٹے سے کر رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کی گفتگو دِیا سلائی کی ایک تیلی کے بارے میں تھی۔ اس لئے ہم نے سوچا آپ یہ تیلی دُور پھینکنے کو بھی اِسراف سمجھتے ہیں اسلئے حمام کی تعمیر کیلئے بھی ہماری مدد نہ کرینگے۔ اسلئے ہم نے سوچا کہ بغیر کچھ کہے سنے چلے جائیں۔ الحمد اللہ اب معلوم ہوا ہے کہ ہمیں شبہ ہوا تھا۔ مرزا نے ہنستے ہوئے کہا، واقعی تم درست کہتے ہو۔ میری باتیں سننے والے شک وشبہ میں پڑ سکتے ہیں لیکن ہر بات کا اپنی جگہ پر ایک مفہوم اور مطلب ہوتا ہے۔ زندگی میں ہر معمولی چیز کا حساب بھی رکھا جاتا ہے۔ دیا سلائی کی جلی ہوئی تیلی بھی کار آماد ہو سکتی ہے جس کا دُور پھینکنا اسراف ہے اور ہمارے دین میں اسراف حرام اور گناہ ہے۔ ہمیں ہر معاملہ میں کفایت شعاری کرنی چاہئے تا کہ ایسے فلاحی کاموں کیلئے کچھ نہ کچھ پس انداز کریں۔ توڑ پھوڑ بیجا اخراجات اور فضول خرچی، غربت اور تنگ دستی کا سبب بنتے ہیں اسلئے تنگ دست لوگ کار خیر میں حصہ نہیں لے سکتے۔ جب میں اپنے بچوں کے آرام اور زندگی کے دوسرے وسائل مہیا کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا تو ان کیلئے بھی لازم ہے کہ اپنی ذمہ داری نبھائیں اور معمولی اور کم قیمت اشیاء کے ضائع کرنے سے بھی خودداری کریں۔ داناؤں نے کہا ہے، **قطرہ قطرہ مل کر دریا ہوتا ہے اور دانہ دانہ مل کر ڈھیر بنتا ہے**۔ یہ عمل اپنی جگہ دُرست ہے۔ شاید تمہارے خیال میں میری باتوں سے سخت گیری کی بو آتی ہوگی لیکن میری ذمہ داری ہے کہ اپنے بچے کو زندگی کے اصول بتاؤں اور دیا سلائی کی یہی تیلی ایک نمونہ ہے۔ اگر میرا بیٹا ابھی سے حساب کتاب، کفایت شعاری اور نظم و ترتیب کو یاد نہ کرے گا اور عادت نہ بنائے گا تو اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ کچھ نہ کچھ پس انداز کر سکے اور نہ ہی اپنے ساز و سامان کی حفاظت کر سکے گا۔

ایک قاصد نے کہا جناب! یہ سب باتیں دُرست ہیں۔ اسراف حرام ہے اور کفایت شعاری اچھی صفت ہے۔ رقم کمانے سے اس کا پس انداز کرنا مشکل کام ہے۔ بچوں کیلئے ضروری ہے کہ نفع نقصان اور آمدن و خرچ کا حساب رکھیں لیکن دِیا سلائی کی ایک جلی ہوئی تیلی کسی مصرف میں نہیں آتی اور اسے بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ کیسے کار آمد ہو سکتی ہے؟

مرزا اسماعیل نے کہا، معلوم ہوتا ہے تم نے یا تو میری باتوں پر توجہ نہیں دی یا پھر میں اپنا مقصد اچھی طرح تمھیں سمجھا نہیں سکا۔ میرا مقصد صرف یہی تیلی نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز ہے جو بظاہر معمولی دِکھائی دیتی ہے لیکن اپنی جگہ پر اسکا مقام اور قیمت ہے۔ کہتے ہیں:

ہر چیز کہ خوار آید یک روز بہ کار آید

بہرحال میری مراد یہ ہے کہ ایسی معمولی چیزوں کی حفاظت کی عادت بنائی جائے جسے ایک پرانا جوتا بھی حفاظت سے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ کیچڑ اور بارش کے دِنوں کام آئے اور نیا جوتا صاف موسم میں استعمال کیا جاتا ہے تاکہ دیرپا ہو۔

اکثر لوگ قرض کے پنجے میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور تہی دستی سے روتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ فضول خرچی کی بدولت ہم اس حال کو پہنچے ہیں۔ ایسے لوگ محض لالچ اور ہوس کی وجہ سے ایک دن کوئی چیز خریدتے ہیں اور دوسرے دن اسے اپنی ضرورت سے زائد سمجھ کر اونے پونے داموں بیچ ڈالتے ہیں۔

آج اس کارخیر میں جو رقم دے رہا ہوں یہ آندھی اُڑا کر میرے پاس نہیں لے آئی بلکہ میری کفایت شعاری کا نتیجہ ہے جس میں ان تیلیوں کا حصہ بھی شامل ہے۔

جو شخص دن میں ایک تومان کا تمبا کو ہوا میں اُڑا دیتا ہے وہ سال میں ۳۶۵ تومان اپنے ہاتھ سے دھواں بنا دیتا ہے۔ اگر اس شخص کی زیادہ آمدن نہ ہو تو تعجب کی بات نہ ہوگی کہ نیا لباس نہ خرید سکے یا قرض لینے پر مجبور ہو حالانکہ تمبا کو نوشی میں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نقصان ہی نقصان ہے اور بری عادت ہے۔

اس دیا سلائی کی تیلی کو ہی دیکھ لو، جسے ہم دُور پھینک دیتے ہیں لیکن ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بے فائدہ چیز ہے۔

میرے عزیزو! مجھے اجازت دو تاکہ اس جلی ہوئی تیلی کے بعض فوائد تمھیں بتاؤں۔

۱...... پاکیزہ تیلی سے دانتوں میں خلال کیا جاسکتا ہے۔

۲...... اس پر روئی لپیٹ کر کان صاف کرسکتے ہیں۔

۳...... مُردہ مکھی کو دو تیلیوں کی مدد سے اُٹھا کر کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے۔

۴...... تیلی کو ایک چراغ سے جلا کر دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے اور نئی تیلی استعمال نہیں کی جاسکتی۔

۵...... تیلی کی مدد سے زخم پر مرہم لگائی جاتی ہے۔

۶...... تیلی پر گوند لگا کر کاغذ چپکایا جاسکتا ہے۔

۷...... ناخن کے میل اس سے صاف کی جاسکتی ہے۔

۸...... جلی ہوئی تیلیوں کو چنگاری پر ڈال کر آگ روشن کی جاسکتی ہے۔

۹...... ان تیلیوں کو رنگ کر نقاشی اور تصاویر بنائی جاسکتی ہے۔

اب تم خود غور کرو کہ انہی جلی ہوئی تیلیوں کی مدد سے سینکڑوں کام کئے جاسکتے ہیں جب کسی کام کیلئے مخصوص سامان دستیاب نہیں ہوتا تو ان تیلیوں کی مدد لی جاسکتی ہے۔ ہاں! اگر تم خود ان سے کام نہ لینا چاہو تو یہ الگ بات ہے۔

ان باتوں کے علاوہ ان جلی ہوئی تیلیوں سے گھروں میں چھوٹے بچے کئی قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور کافی دیر مشغول رہتے ہیں۔

دیا سلائی کی سالم تیلیوں سے آتش بازی کی جاتی ہے لیکن جلی ہوئی تیلیاں خالی ڈبیہ میں رکھ دی جائیں تو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ بچے ان سے مربع، تکون، برج، مینار اور گھر بناتے ہیں۔

بزرگ ان سے سڑکوں کا نقشہ، شہر، گھر اور گلی کوچے بناتے ہیں۔ ان تیلیوں میں چونکہ گندھک نہیں ہوتی اسلئے ان سے کئی قسم کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ جب مجھے بھی کوئی مفید کام نہیں ہوتا تو انہی تیلیوں کی مدد سے آدھی رات کئی کئی کھیل کھیل سکتا ہوں اور مجھے ان تیلیوں سے بیس کھیل یاد ہیں۔ انہیں تیلیوں کی مدد سے کھیل سکتا ہوں۔

اب تم نے دیکھ لیا؟ زندگی میں ان تیلیوں کی مانند کئی دوسری چیزیں بھی موجود ہیں اگر ہم ان کی قدر پہچان لیں تو بہت فوائد حاصل کر سکتے ہیں اگر نہ پہچانیں تو نقصان کا سامنا کریں گے۔

قاصدوں نے کہا، ہاں! جناب حاجی! آپ دُرست کہہ رہے ہیں۔ ہم نے آپ سے کئی مفید باتیں سیکھ لیں۔ اب ہمیں اجازت دیں کیونکہ کافی دیر ہوگئی ہے۔ آپ کی مہربانی سے حمام کے اخراجات کی کمی پوری ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور عزت زیادہ کرے اور آپ کے کاموں میں برکت فرمائے۔

دونوں قاصدوں نے خدا حافظ کہا اور لوٹ گئے۔ رقم کی تھیلی اراکین کے حوالے کی اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، بیان کر دیا۔

لوگوں نے حاجی اسماعیل کی باتیں ایک دوسرے سے بیان کیں اور کہا، مرزا اسماعیل دُرست کہتا ہے لیکن افسوس! وہ پھر بھی تیلیاں ادھر ادھر پھینک دیتے تھے، اس لئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اسے تیلیوں والا حاجی کا لقب دے دیا۔

شیر یا خط

دو شہروں جابلقا اور جابلسا کے درمیان ایک چھوٹی سی آبادی تھی، جس کی ملکیت پر دونوں شہروں کے حاکموں میں اختلاف تھا۔ ایک کہتا، یہ آبادی جابلقا کی ملکیت ہے اور دوسرا کہتا، یہ آبادی جابلسا کا حصہ ہے۔

دونوں حاکموں نے کئی سالوں تک اس کے قبضہ پر گفت وشنید کی تھی اور چونکہ دونوں طاقتور تھے اس لئے مسئلہ کا کوئی حل نہ نکلا۔

ایک دن جابلقا کے حاکم نے جابلسا کے حاکم کو پیغام بھیجا کہ میرے ذہن میں ایک عمدہ تجویز آئی ہے، اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ مل کر اس گتھی کو سلجھائیں۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، بہتر ہے کہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور معاملہ کو سلجھائیں لیکن کون سے شخص کو دوسرے کے پاس جانا ہوگا؟ مجھ تجھ سے ڈرتا ہوں اور تم مجھ سے خائف ہو۔ ممکن ہے ہماری ملاقات سے اختلاف بڑھ جائے اور مرنے مارنے پر اُتر آئیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ تمہارے ذہن میں جو تجویز آئی ہے، اسے لکھ بھیجو، تاکہ میں اس پر غور کروں۔

جابلقا کے حاکم نے پیغام دیا کہنے سننے اور لکھنے لکھانے سے ہماری باتیں چاروں طرف پھیل جائیں گی۔ ہماری موافقوں اور مخالفوں کی تعداد بڑھ جائے گی کیونکہ لوگوں کی سمجھ اور سلیقے میں بے حد فرق ہے۔ اس طرح دوست اور دشمن ہمارے کام میں رُکاوٹ بن جائیں گے۔ بہتر ہوگا کہ ہم دونوں دوستوں کی طرح ایک ساتھ بیٹھ جائیں۔ خلوص نیت سے مسئلہ پر غور کریں اور فیصلہ کر کے معاہدہ پر دستخط کر دیں۔ میرے خیال میں ملاقات کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک ہی وقت اپنے اپنے شہر سے چل پڑیں اور رستہ میں جہاں ہماری ملاقات ہو، علیحدگی میں بیٹھ جائیں اور معاملہ طے کر لیں۔

جابلسا کے حاکم کو معاملے طے کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان معاملات کو بخت اور اقبال کا نام دیتا تھا، جب بھی اسے کسی کام میں تردد ہوتا تو مشورہ کے بجائے فال کا سہارا لیتا تھا۔ اپنی جیب سے سنہری سکہ نکالتا اور کہتا، خدایا! اگر میرا رقیب دھوکہ نہیں کر رہا تو شیر آئے، اگر اس کے دل میں دھوکہ کی نیت ہے تو خط آئے۔

جابلسا کے حاکم نے سکہ پھینکا اور شیر خط کرنے لگا۔ اتفاق سے شیر آ گیا۔ اسلئے پیغام بھیجا کہ میں جمعہ کے دن صبح سویرے چل پڑونگا تم بھی یہی کام کرو تا کہ ایک دوسرے سے مل کر معلوم کریں کہ تم کیا چاہتے ہو؟

دونوں حاکم جمعہ کے دن چل پڑے۔ جب صحرا میں ایک دوسرے سے ملے تو اپنے ہمراہیوں سے الگ ہو گئے اور خیمے لگا دیئے لیکن اس بات پر اختلاف پیدا ہو گیا کہ گفت وشنید کیلئے مخصوص خیمہ کون لگائے گا؟ جابلقائی نے کہا، میں! لیکن جابلسائی نے کہا، میں۔

آخر میں جابلسا کے حاکم نے کہا، اگر تم کوئی حیلہ اور دھوکہ نہیں چاہتے تو میں شیر خط کرتا ہوں اگر شیر نکلا تو خیمہ میں لگاؤں گا اگر خط آیا تو خیمہ تم لگاؤ گے۔

جابلقائی حاکم نہایت عقلمند تھا اس لئے کہنے لگا، اگرچہ مجھے شیر خط پر یقین نہیں ہے لیکن اس کام میں ہمارا نفع اور نقصان برابر ہے اس لئے جیسے تمہاری مرضی ہو، وہی کرو۔

جابلسائی نے شیر خط کیا تو شیر آ گیا۔ اس لئے دونوں لشکروں کے درمیان خیمہ لگادیا گیا۔ جب دونوں حاکم آ گئے تو ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اسے محبت سے دبایا اور خوش آمدید کہہ کر بیٹھ گئے اور گفت وشنید شروع ہوگئی۔

جابلقا کے حاکم نے کہا، دیکھو میرے بھائی! ہم کئی سالوں سے اس آبادی کی ملکیت پر جھگڑ رہے ہیں۔ خود بھی مصیبت میں گرفتار ہیں اور رعایا کو بھی عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اب میں نے ایک عادلانہ رستہ تلاش کیا، جس میں نہ تو سیخ جلے گی اور نہ ہی کتاب۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن سب کاموں کا دارومدار بخت اور اقبال پر منحصر ہے۔ میرے خیال میں بہتر ہوگا کہ وسیع قلبی کا مظاہرہ کریں اور اس آبادی کی ملکیت پر شیر خط کرلیں۔ جس کے نام قرعہ نکل آئے گا آبادی اسی کی ملکیت ہوگی اور ہمارا اختلاف ختم ہوجائے گا۔

جابلقائی حاکم نے کہا، میں اپنی عقل کا اختیار شیر اور خط کے حوالے کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ شیر اور خط کی فال ایسے کاموں میں لی جاتی ہے جہاں نفع اور نقصان برابر ہوتے ہیں لیکن اس آبادی کے لوگوں کی تقدیر، شیر اور خط کے حوالے نہیں کی جاسکتی۔ بہتر ہوگا کہ ہم ایسا کام کریں جو عاقلانہ اور عادلانہ ہو، تاکہ کل دوسرے لوگوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔

جابلسائی حاکم نے کہا، ہمارا رستہ کوئی نہیں روک سکتا بلکہ میں تو کہوں گا کہ دنیا کا کوئی کام عاقلانہ اور عادلانہ نہیں ہے۔ اگر تمہارے بخت نے مدد کی تو یہ آبادی تمہارا مال ہوگی اگر میرے بخت نے مدد کی تو میں ہی اس کا مالک بن جاؤں گا۔

جابلقائی نے کہا، میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری باتیں غلط ہیں لیکن یہ ضرور کہونگا کہ بخت، اقبال، شیر اور خط کسی مسئلہ کا حل نہیں ہیں۔ اگر قرعہ اندازی سے یہ آبادی میرے ہاتھ آجائے اور اسکے باشندے میری موافقت نہ کریں تو پھر بھی ہماری بدبختی بدستور رہے گی۔

جابلسائی نے کہا، میں اسے قبول کرتا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو ایسا کام کریں جس سے لوگ آسودہ ہوں، اس کے بعد فیصلہ کرلیں گے۔

جابلقا کے حاکم نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ ایسا معاہدہ کریں جو ابھی تک ہم نے سوچا بھی نہیں ہے۔ یہ معاہدہ عاقلانہ اور عادلانہ ہے اور ہمارے اختلافات بھی حل ہوجائیں گے۔

جابلسائی نے کہا، ہاں بتاؤ! تمہاری کیا تجویز ہے؟

جابلقائی نے کہا، میری تجویز ہے کہ یہ آبادی اس شخص کی ملکیت ہو، جسے وہاں کے باشندے چاہتے ہوں اس وقت آبادی کے لوگ اسے زیادہ آباد کریں گے اور ہمارے پاس ایک دلیل بھی ہوگی کہ ہم دونوں راضی ہیں۔

جابلسائی نے کہا، خوب! لیکن ہمیں کس طرح معلوم ہوگا کہ آبادی والے خوش ہیں؟ یہ تو ہم سے ڈرتے ہیں، اسلئے دُرست فیصلہ نہ کریں گے۔ مجھے کچھ اور کہیں گے اور تجھے کچھ اور...... بالکل اسی طرح جیسے پہلی جنگوں میں کرتے رہے ہیں اور شاید ایسا بھی ہو کہ ہم دونوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔

جابلقائی نے کہا، یہ لوگ ہم سے کنارہ کشی نہ کریں گے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارا الحاق کسی بڑی طاقت سے ہوچکا ہے بلکہ اب تو ہمارے اختلاف سے کئی تکالیف کا سامنا کررہے ہیں۔ بہرحال وہ اس الحاق کو سنجیدگی سے سوچیں گے نیز ان کے جھوٹ سے بچنے اور سچائی کا رستہ اختیار کرنے کے متعلق بھی میں نے سوچ رکھا ہے۔

جابلسائی نے کہا، اگر بالفرض تمام لوگ سچائی سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے کا اِظہار کردیں لیکن سب لوگ ہم سلیقہ نہیں ہیں اس لئے ایک گروہ جابلقا کو پسند کرے گا اور دوسرا جابلسا کو اور پھر بھی اختلاف باقی ہوگا۔

جابلقائی نے کہا، دُرست ہے لیکن جب معلوم ہوگیا کہ کون سا دستہ زیادہ ہے تو چھوٹے دستے کو بھی ان کی ہمراہی کرنی پڑے گی۔ چونکہ ہم دونوں نے صلح کرلی ہے اس لئے اس آبادی کے لوگ بھی ایک دوسرے سے صلح کرلیں گے۔

جابلسائی نے کہا، اب ہمیں کون سا طریقہ اختیار کرنا ہوگا تاکہ لوگ بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنی رائے کا اظہار کریں۔

جابلقائی نے کہا، اس آبادی کے لوگ خفیہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کریں گے، ان سے کہا جائے گا کہ ہم تمہاری آسودگی کیلئے صلح کرنا چاہتے ہیں، اسلئے آج کے بعد کوئی جھگڑا اور جنگ نہ ہوگی، اسلئے تم خود اپنی رائے کا اظہار کرو کہ جابلقا کو پسند کرتے ہو یا جابلسا کو؟ اس وقت اسی خیمے میں دو مٹکے رکھ دیں گے۔ ایک مٹکا جابلقا کی طرف سے اور دوسرا جابلسا کی طرف سے ہوگا۔ ہم دونوں خیمے سے دور بیٹھ جائیں گے اور آبادی کے ہر شخص کو ایک ایک سنگریزہ دے دیں گے تاکہ ہر شخص خیمہ میں داخل ہو اور اپنی پسند کے مطابق سنگریزہ مٹکے میں ڈالتا جائے جبکہ انہیں دیکھنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

اگر وہ حاکم جابلقا کو پسند کرتے ہیں اور اپنی آبادی کا الحاق جابلقا سے کرنا چاہتے ہیں تو اپنا سنگریزہ اسی مٹکے میں ڈالے گا ورنہ دوسرے میں۔ چونکہ یہ کام خفیہ ہوگا اس لئے کسی کو معلوم نہ ہوسکے گا کہ انہوں نے اپنا سنگریزہ کون سے مٹکے میں ڈالا ہے۔ اس کے بعد سنگریزے گن لئے جائیں گے اور جس طرف زیادہ ہوں گے، وہی جیت جائے گا۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، ظاہری طور پر تو یہ تجویز عمدہ ہے لیکن باطنی طور پر اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جابلقا کے حاکم نے کہا، ہاں! نتیجہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لیکن جس طرح ہم دونوں اپنے دل کا حال جانتے ہیں اس طرح اس آبادی کے لوگ بھی اپنی مصلحت بخوبی سمجھتے ہیں اور یہی بات عادلانہ ہے۔

جابلسائی نے کہا، جیسا کہ مجھے معلوم ہے، دنیا کی کوئی چیز اور کوئی کام عادلانہ نہیں ہے، انہی سنگریزوں کو ہی دیکھ لو، جو میرے شیر اور خط کی طرح ہیں، جسے تم پسند نہیں کرتے، تم کسی بھی آبادی میں جا کر دیکھ لو، جہاں کوئی نہ کوئی ایسا شخص موجود ہوگا جو سینکڑوں آدمیوں سے دانا ہوگا اور سینکڑوں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں اپنے گھر کی مصلحت بھی معلوم نہیں ہے لیکن سنگریزے حجم اور جسامت میں تقریباً برابر ہیں اور ان کے ذریعے آبادی کے لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرنا کہاں کی دانائی ہے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہمارے تعاون سے خود ہم اور آبادی کے لوگ صلح اور صفائی کا رستہ اختیار کرلیں گے اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ہاں! اگر اجازت ہو تو میں شیر اور خط کرلوں۔ اگر شیر آ گیا تو اپنی رضامندی کا اظہار کردوں گا۔

جب جابلقائی نے شیر خط کرلیا تو شیر نکل آیا، اس لئے اپنی رائے کے مطابق آبادی کے تمام افراد نے مٹکوں میں سنگریزے ڈالنے شروع کردیئے اور گنتی کے بعد معلوم ہوا کہ آبادی کے لوگ جابلقائی ہوگئے ہیں۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، ہم نے جو اقرار کیا تھا اسے تسلیم اور قبول کرتے ہو میں اپنے عہد اور پیمان پر قائم ہوں لیکن آج برے دن نے میرا ساتھ دیا ہے اور اچھے دن نے تمہارا۔ حالانکہ ان لوگوں کو خود معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

جابلقا کے حاکم نے کہا، انہیں بخوبی معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس لئے سوچ سمجھ کر انتخاب کیا ہے۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، اب کام ختم ہے اور میں اپنے عہد پر قائم ہوں، اس آبادی پر جابلقا کا تصور اور قبضہ ہوگا۔ اب جبکہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں رہا، میں پھر بھی کہوں گا کہ سب کاموں کا دارومدار بخت، اقبال اور اتفاق پر ہے۔ میں کئی لوگوں کو جانتا ہوں کہ ہمیشہ بخت ان کی مدد کرتا ہے اور ہر معاملہ میں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ اگر راکھ میں بھی ہاتھ ڈالیں تو سونا بن جاتی ہے جس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکے علاوہ میں کوئی ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو بدبخت ہیں اگر دریا پر بھی چلے جائیں تو وہ بھی سوکھ جاتا ہے اور بخت ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ نیز ان کے حالات سے کوئی شخص انکار نہیں کرتا۔

جابلقا کے حاکم نے جواب دیا، اب جبکہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ یہ باتیں ڈرست نہیں ہیں خوش بختی اور بدبختی تو ہر شخص اپنے لئے خود خریدتا ہے لیکن اتفاقات اور حادثات کا زندگی میں کافی عمل دخل ہے وہ اس طرح کہ ایک دن صاف زمین بھی کسی پاؤں کے نیچے دھنس جاتی ہے اور گڑھے میں گر جاتا ہے لیکن کسی دن بھی زمین جب اسکے پاؤں تلے

ڈھنستی ہے تو اسے خزانہ مل جاتا ہے۔ بہرحال ایسے اتفاقات بہت کم ہوتے ہیں بلکہ اکثر اتفاقات انسان کی اپنی سوچ اور حسن سلوک سے انجام پاتے ہیں۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، اب جبکہ ہم میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا، میں تمہاری باتوں پر یقین نہیں رکھتا اسلئے میں ایسے کئی لوگوں کو جانتا ہوں جو شروع ہی سے خوش بخت یا بد بخت پیدا ہوئے ہیں اگر کوئی شخص ان کی تقدیر بدلنا چاہئے تو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

جابلقا کے حاکم نے کہا، میں تو پھر بھی یہی کہوں گا کہ تمہیں اس مسئلہ میں مغالطہ ہوا ہے اور تم نہیں چاہتے کہ اس کی آزمائش کی جائے حالانکہ اس کا امتحان بھی نہایت آسان ہے وہ اس طرح کہ تم ایسے دو اشخاص کو جن میں ایک نہایت خوش بخت اور دوسرا بد بخت ہو، طلب کرو تا کہ میں انہیں دیکھ کر ان کی خوش بختی اور بد بختی کی دلیل تمہیں بتا سکوں۔

جابلسا کے حاکم نے کہا، ہاں ہاں! یہ تجویز بہت عمدہ ہے۔ آئندہ ہفتہ جب ہم اس آبادی میں جشن منائیں گے تو اس موضوع کا امتحان بھی کرلیں گے۔

اگلے ہفتے جابلسا کے حاکم نے اپنی آبادی سے دو ایسے اشخاص کا انتخاب کیا جن میں ایک خوش قسمت اور دوسرا بد بخت تھا۔ انہیں اپنے ہمراہ لے آیا اور کہا ہمارے شہر کے سب لوگ انہیں جانتے ہیں۔ یہ شخص ایسا ہے کہ ہر کام میں خوش بختی اس کے قدم چومتی ہے لیکن یہ دوسرا ہر معاملہ میں بد بخت اور ناکام رہتا ہے۔

جابلقا کے حاکم نے دیکھا کہ ایک شخص کے چہرے اور ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے، اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ عمدہ اور صاف لباس پہن لے اسلئے اپنے آپ کو مؤدب ظاہر کرلیا تھا، لیکن دوسرے کے چہرے پر پژمردگی کے آثار دکھائی دیتے تھے، اس کا لباس بھی میلا کچیلا اور غیر مرتب تھا۔

جابلقا کے حاکم نے پہلے شخص سے پوچھا، تو ایسے بن ٹھن کر کس لئے آیا ہے؟ کیا کسی شادی کی تقریب میں شامل ہونا ہے؟

اس نے جواب دیا، چونکہ مجھے حاکم کی خدمت میں حاضر ہونا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ حاکم کے احترام کیلئے ضروری ہے کہ صاف ستھرا لباس پہنا جائے۔

اس سے پوچھا گیا، تمہاری خوش بختی کن باتوں میں ہے؟

اس نے جواب دیا، میری خوش بختی اس وجہ سے ہے کہ میں اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق دوسروں سے بہتر کام کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے مجھے ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

اس کے بعد حاکم نے دوسرے شخص کی طرف منہ کیا اور پوچھا، تمہارا وقت کیسے گزر رہا ہے اور کیا حال ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بیمار ہو۔ اس نے جواب دیا، اے بابا! کون سا حال اور کیسا احوال؟ تم خود جانتے ہو کہ میرے جیسے شخص کا حال اور حوصلہ کب تک باقی ہوگا؟

حاکم نے پوچھا، تمہاری ناخوشی کا سبب کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، مجھے اپنی زندگی میں کبھی خوشحالی نصیب نہیں ہوئی۔

حاکم نے کہا، نہیں میرے عزیز! اِن شاء اللہ سب چیزیں دُرست ہوجائینگی۔ ہم آج اسلئے یہاں آئے ہیں کہ ایک آزمائش کریں اس لئے تم دونوں ایک امتحان کیلئے تیار ہوجاؤ۔ یہ امتحان اتنا مشکل نہیں ہے بلکہ آسان ہے۔

ہمارے سامنے ایک کوچہ ہے جو یہاں آ کر ملتا ہے اور آخر تک چلا جاتا ہے جب ہم اس کے سامنے کا پردہ ہٹائیں گے تو اس کے دونوں حصے صاف طور پر دکھائی دیں گے۔ ایک کوچہ کچا ہے لیکن دوسرے کوچے میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فرش بچھایا گیا ہے۔

تمہارا کام یہ ہوگا کہ جس کوچے میں مناسب سمجھو، داخل ہوجانا اور آخر تک جا کر دوسرے کوچے سے یہاں آجانا۔ اس کے بعد نتیجہ معلوم ہوجائیگا، تمہارے آنے جانے کا انعام بھی برابر ہوگا۔ ہاں! اس سے کوئی فرق نہ ہوگا کہ تم کوچے میں پہلے داخل ہوتے ہو یا بعد میں۔ اگرچہ تمہیں اس وقت ہمارا مقصد معلوم نہیں ہے لیکن تمہاری واپسی پر سب کو معلوم ہوجائے گا۔ اب کچھ دیر صبر کرو تاکہ تمہیں روانگی کا حکم دیا جائے۔

حاکم نے حکم دیا کہ پردہ ہٹایا جائے، جس سے دونوں کوچے صاف نظر آنے لگے۔ ایک کوچہ آخر تک کچا تھا لیکن دوسرے میں چند فرش بچھے تھے۔ جس سے کوچہ کسی حد تک ڈھکا تھا یعنی فرشوں کے درمیان دس پندرہ قدم کے فاصلے تک خالی زمین تھی۔

خوش بخت اور بد بخت' کوچوں کی لمبائی دیکھ رہے تھے اتنے میں جابلقائی حاکم، جابلسائی حاکم کو ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا، جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں ان دونوں افراد کیلئے آمد و رفت کا فاصلہ یکساں ہے اور ان کا انعام بھی یکساں ہوگا لیکن ہم نے تو ان کے بخت کی آزمائش کرنی ہے میں نے کچے کوچے میں مٹھی بھر جواہر اور اشرفیاں ڈال دی ہیں، ان کا مالک وہی شخص ہوگا جو اپنے ساتھی سے پہلے انہیں دیکھ لے گا، اس لئے جو شخص کچے کوچے میں پہلے جائے گا لازمی طور پر خزانہ بھی پہلے دیکھے گا لیکن دوسرے کوچے کے ایک فرش کے نیچے گڑھا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہے یعنی جو شخص فرش والے کوچے میں پہلے جائے گا وہی گھڑے میں گرے گا اور چونکہ کچے کوچے میں بعد میں پہنچے گا اس لئے خزانے کو بھی بعد میں دیکھے گا اس لئے محروم رہے گا اور ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ بخت اور اقبال کس کی مدد کرتا ہے۔

جابلسائی حاکم نے کہا، بہتر ہے کہ ہم شیر خط کرلیں۔

جابلقائی حاکم نے کہا، میں اس کا مخالف نہیں ہوں لیکن بہتر ہوگا کہ ہم اندھے قرعہ سے بچیں بلکہ میں تو پھر بھی یہی کہوں گا کہ انسان اپنا بخت خود بناتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ انہی دونوں افراد سے اندازہ لگائیں کہ یہ کون سا رستہ اختیار کرتے ہیں۔

جابلسائی حاکم نے کہا، اس آزمائش کی شرائط یکساں نہیں ہیں، جو شخص کچے کوچے سے اپنا سفر شروع کرے گا وہ خزانے کو بھی پہلے دیکھے گا۔

جابلقائی حاکم نے کہا، دُرست ہے لیکن اگر تمام کاموں کا دارو مدار بخت سے وابستہ ہے تو بد بخت کچے کوچے کا انتخاب نہ کرے گا اگر خزانہ خوش بخت کو مل گیا تو میں تمہارا قول تسلیم کرلوں گا اور بخت کی اہمیت پر ایمان لے آؤں گا۔

جابلسائی حاکم نے قبول کرلیا اور دونوں نے خوش بخت اور بد بخت سے کہا، یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ کون سا کوچہ انتخاب کرتے ہو اور کون سے کوچے سے واپس آتے ہو۔

خوش بخت نے کہا، میں تو شیر اور خط کروں گا۔ اس نے شیر خط کیا اور کچے کوچے کا انتخاب کرلیا۔ اس کے بعد خوش بخت سے پوچھا، کیا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟

خوش بخت نے کہا، نہیں! میرے لئے کوئی فرق نہیں ہے۔

جابلسائی حاکم قدرے پریشان ہوا اور سوچنے لگا، اب بد بخت اسی کچے کوچے میں جائے گا اور اپنے ساتھی سے پہلے خزانے کا مالک بن جائے گا۔ اس طرح میری بات غلط ثابت ہوگی لیکن میں کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا اس لئے کہ شیر اور خط کا فیصلہ میں نے خود قبول کرلیا ہے۔

جابلقائی حاکم نے کہا، بہت بہتر! رستہ سامنے ہے اور جونہی میں ایک دو تین کہوں گا کوچہ میں داخل ہو جانا، ہم بھی پردہ اُٹھا دینگے اور جب دوسرے کوچے سے واپس آؤ گے تو پردہ گرا دینا، اس کے بعد تمہارا کام ختم ہے۔ ہاں! اگر کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ لو؟

بد بخت نے کوئی جواب نہ دیا لیکن خوش بخت نے پوچھا، میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اس امتحان میں جلد یا دیر سے واپسی کا بھی کوئی اثر ہے؟

دونوں حاکموں نے کہا، اس کا کوئی اثر نہیں ہے، تم جب بھی واپس آؤ گے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی کوئی باز پرس ہوگی۔ اب دیگر کسی سوال کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تیار ہو جاؤ ﴾ ایک......دو......تین۔

خوش بخت فرشی کوچے میں داخل ہوگیا اور بد بخت کچے کوچے میں چل پڑا۔

خوش بخت نے جب پردہ اُٹھایا تو کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا اور کہا، میرے سامنے ایک کوچہ ہے جس سے گزر کر میں نے آخر تک جانا اور دوسرے کوچے سے واپس آنا ہے اس میں دیر یا جلد بازی سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ہمارے حاکم کس چیز کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ ان فرشوں کے درمیان تھوڑی بہت جگہ خالی ہے جہاں کوئی فرش نہیں بچھایا گیا۔ شاید ہمارے حاکم دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ اس فرش کو کون زیادہ میلا کرتا ہے اور کون سا شخص صفائی کا خیال رکھتا ہے۔ مجھے اس رستہ سے جانا ہے اور میرے ساتھی نے اس رستہ سے لوٹنا ہے۔ کچے فرش پر چلنے سے جوتوں میں مٹی لگ جائیگی اور اس کے نشان فرش پر نمودار ہونگے۔ اگر ہمارا امتحان یہی ہے تو میں فرش کو میلا نہ کروں گا۔

خوش بخت کے جوتے ابھی صاف تھے، وہ مجبوراً پہلے فرش پر چل پڑا۔ جب وہ دوسرے تیسرے اور چوتھے فرش پر پہنچا تو اس پر چھلانگیں لگاتا رہا اور یہ فاصلہ عبور کرلیا۔ جب اس کے سامنے کچا فرش آتا تو اس پر چلنے میں تردد نہ کرتا اور کوشش کرتا کہ اس کے جوتے صاف رہیں۔

جب اس نے کوچہ عبور کرلیا تو اس کا رقیب بھی وہاں پہنچ گیا تھا اس لئے دونوں ایک دوسرے کے کنارے سے گزر گئے۔

اب خوش بخت کچے کو عبور کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ رستہ میں جواہرات اور اشرفیاں پڑی ہیں اس لئے اپنے دل میں کہنے لگا اس خزانے کو اُٹھانے میں کوئی مصلحت نہیں ہے لیکن شاید اس کا حساب مجھ سے پوچھا جائے اسلئے انہیں گن کر پردہ کے پاس پہنچ گیا۔

بد بخت کے سامنے سے جب پردہ ہٹایا گیا تو روانگی کیلئے تیار ہوا تو پردہ کے پیچھے تھوڑی دیر کیلئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا عجیب احمق لوگ ہیں! یہ کوچہ تو نہایت صاف ستھرا ہے۔ معلوم نہیں کس قسم کا امتحان لینا چاہتے ہیں؟ یہاں تو اندھا شخص بھی بغیر کسی رہنمائی کے چل پھر سکتا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور ہاتھ پھیلا کر چل پڑا اور کچے کے آخری سرے پر جا پہنچا اور کہنے لگا، کیا میں نہ کہتا تھا کہ کوچے کو عبور کرنا آسان ہے۔

چونکہ بد بخت نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اس لئے دیوار سے جا ٹکرایا اور خزانے کو نہ دیکھ سکا۔

اس نے خوش بخت کو دیکھا جو وہاں سے لوٹ رہا تھا اس لئے وہ بھی دوسرے کوچے میں مڑ گیا۔ اب وہ خالی زمین سے فرش پر اور فرش سے خالی زمین پر چل رہا تھا لیکن اسے اتنا بھی خیال نہ آیا کہ خوش بخت اسی رستہ سے گزرا ہے لیکن فرش میلا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں فرش کے نیچے گڑھا تھا چونکہ گڑھا زیادہ گہرا نہ تھا اسلئے تیزی سے سنبھل گیا اور پردے کے پیچھے آ گیا اور کہنے لگا، میں حاضر ہوں۔

خوش بخت نے بھی کہا، جناب! میں بھی حاضر ہوں۔

تب پردہ ہٹایا گیا اور دونوں افراد باہر آ گئے۔

دونوں حاکموں نے نتیجہ سمجھنے کیلئے پوچھا، تم نے کوچے میں کیا دیکھا ہے؟

بدبخت نے کہا، کچھ بھی نہیں۔ البتہ ایک فرش کے نیچے گڑھا تھا اس لئے اپنی بدبختی سے اسی میں گر گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے رحم کیا کہ گڑھا زیادہ گہرا نہ تھا۔

انہوں نے پوچھا، کوئی اور بات؟

اس نے کہا، کچھ بھی نہیں۔

انہوں نے پوچھا، تم نے جس کوچے کو پہلے عبور کیا تھا، کیا تجھے وہاں کوئی چیز نظر آئی تھی؟

اس نے کہا، نہیں! میں نے تو اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

انہوں نے پوچھا، کس لئے؟

اس نے جواب دیا، میں اندھوں کی طرح چلتا رہا۔

انہوں نے پوچھا، اب تم کیا انعام چاہتے ہو؟

اس نے جواب دیا، وہی فرش جس کے نیچے گڑھا تھا۔

اس کے بعد خوش بخت نے کہا، مجھے تو گڑھا دِکھائی نہیں دیا ہے، جب میں کوچے کے آخر میں بدبخت کے قریب سے گزرا تو مجھے دوسرے کوچے کے درمیان چند اشرفیاں اور جواہرات دکھائی دیئے تھے۔

انہوں نے پوچھا، یہ کیسے ہوا ہے کہ تم گڑھے میں نہیں گرے ہو؟

اس نے کہا، جب میں پہلے کوچے میں داخل ہوا تو میرے جوتوں کی مٹی سے فرش آلودہ ہو گیا تھا اس لئے میں نے چھلانگیں لگانی شروع کر دیں تاکہ دوسرے فرش میلے نہ ہوں۔

انہوں نے دریافت کیا، یہ کتنے فرش تھے؟

اس نے کہا، پانچ۔

انہوں نے پوچھا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ سکے اور جواہرات کتنے تھے؟

اس نے کہا، ۳۱ اشرفیاں اور ۱۳ جواہرات۔

خوش بخت سے پوچھا گیا، اب تم کیا انعام لینا چاہتے ہو؟

اس نے کہا، جناب! یہ تو تمہاری مہربانی اور کرم پر منحصر ہے۔

جابلسائی حاکم سوچ رہا تھا کہ انعام جیتنے والے کو زیادہ خوش کیا جائے۔ اس لئے کہا، اب یہ اشرفیاں اور جواہرات تمہارے ہیں۔ ہم نے طے کیا تھا کہ جو انہیں پہلے دیکھے گا، خزانے کا مالک وہی ہو گا لیکن بد بخت نے اپنا انعام خود تجویز کیا ہے اسلئے باقی چار فرش بھی تمہارے ہیں۔

خوش بخت نے کہا، میں تمہارا بہت ممنون ہے۔ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ میرا بخت ہمیشہ میرا ساتھ دیتا ہے۔

اتنے میں بد بخت کہنے لگا، میری بدبختی ہر جگہ میرے ہمراہ رہتی ہے وہ اس طرح کہ گڑھے میں تو میں گرا ہوں لیکن خزانہ میرا ساتھی لے گیا ہے۔

جابلسائی حاکم نے کہا، مجھے معلوم تھا کہ ایک کا بخت جاگ رہا ہے اور دوسرے کا سویا ہے بلکہ اب تو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ بد بخت جواہرات والے کوچے سے گزرا ہے لیکن انہیں نہیں دیکھ سکا اور خوش بخت گڑھے سے صاف بچ نکلا ہے بلکہ جواہرات کا مالک بھی بن گیا ہے۔ میں اسی لئے کہتا ہوں کہ بخت اور اقبال ہی انسان کے کام آتے ہیں۔

جابلقائی حاکم نے کہا، ہاں! بخت اور اقبال کا عمل دخل زیادہ ہے لیکن آپ نے شاید یہ غور نہیں کیا کہ یہاں بھی میری باتیں دُرست ثابت ہوئی ہیں۔ یہ شخص جب جواہرات کے کوچے سے گزرا تو اس نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ امتحان دے رہا ہے اگر کوچے میں کوئی اہم بات نہ ہوتی تو امتحان کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں گویا اسے کسی خطرے کا سامنا نہیں ہے اس کے علاوہ تمام فرش کو میلا اور خاک آلود کر دیا اور گڑھے میں گر گیا جبکہ اس کا حق بھی یہی تھا۔ آخر میں اپنا اِنعام خود پسند کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی کوتاہ نظر تھا اور ہماری وسیع النظری سے ناواقف تھا۔ اس کے مقابلے میں دوسرے شخص نے سمجھ لیا تھا کہ امتحان میں شامل ہے یہاں تک کہ اس نے فرش کو خاک آلود کرنے میں بھی احتیاط کی اور فرش کے علاوہ اشرفیاں اور جواہرات کا شمار بھی کر لیا اور سب سے اہم یہ کہ اپنا انعام بھی ہماری ہمت سے وابستہ رکھا۔ میں اس امتحان کو بخت اور اقبال کا نام دینے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ یہ شخص ہر چیز کے متعلق سوچتا ہے اور ہوشیاری سے کام لیتا ہے اسلئے اسے لازمی طور پر خوش بخت ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی تقدیر خود بناتے اور سنوارتے ہیں۔

جابلسائی حاکم نے کہا، شاید تم اسے قبول نہ کروگے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ شخص جب یہاں آیا تھا تو ظاہری طور پر بھی اپنے ساتھی سے زیادہ خوش بخت دکھائی دیتا تھا، اس کا لباس مرتب تھا اور اپنی شکل وصورت سے بھی خوش حال اور اُمید وار تھا۔ یہ جانتا تھا کہ وہ خوش بخت ہے لیکن دوسرے کے سر اور چہرے سے بدبختی کے آثار ٹپک رہے تھے اس لئے اس کی ظاہری شکل وصورت سے دکھائی دیتا تھا کہ بد بخت ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہوا جو آپ دیکھ چکے ہیں بلکہ میں تو یہ کہنے میں بھی حق بجانب ہوں کہ اس نے آج تک اپنی تقدیر اور بخت سنوارنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

جابلقائی حاکم نے کہا، شاید تم اب بھی جاننے کیلئے تیار نہ ہوگے لیکن اس بد بخت نے اپنی بدبختی کا انتظام خود ہی کیا ہے۔ کیا اس کیلئے ممکن نہ تھا کہ دو حاکموں کی خدمت میں آتے وقت اپنے لباس کو قدرے مرتب کر لیتا۔

جابلسائی حاکم نے کہا، تم عجیب باتیں کرتے ہو۔

اگر اس شخص کے پاس کچھ ہوتا تو دولت مند ہوتا اور بد بخت نہ ہوگا۔

جابلقائی حاکم نے کہا، میں بھی یہی کہتا ہوں بلکہ تونگری اور دولت مندی کی باتیں نہیں کرتا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اسے زبان عطا کی ہے، وہ اپنی زبان سے تو عمدہ باتیں ادا کرسکتا ہے، اس کی آنکھیں موجود ہیں تاکہ کوچے میں جواہرات دیکھ سکے۔ یہ شخص سوچ اور سمجھ کا مالک تھا اسلئے امتحان دیتے وقت بخوبی سمجھ جاتا کہ اسے کوچہ گردی کیلئے نہیں بلایا گیا۔ لیکن اس نے اپنی سوچ اور سمجھ سے کام نہ لیا بلکہ اندھے پن کا ڈھونگ رچا کر خود ہی گڑھے میں جا گرا، وگرنہ مال و دولت دیکھ کر اپنی تقدیر بدل سکتا تھا۔

جابلسائی حاکم نے کہا، شاید تم دُرست کہتے ہوگے، اس لئے جلد بازی سے کام لے کر رنجیدہ نہ ہوں تاکہ صلح کی تقریب میں بدمزدگی پیدا نہ ہو۔

بہتر ہوگا کہ اب یہاں سے اُٹھیں اور لوگوں کی خوشیوں میں شرکت کریں۔ ہاں! اب تو اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں گی اس لئے اس موضوع پر پھر بحث کریں گے تاکہ تمام مسائل واضح اور روشن ہوسکیں۔

سبزی فروش کا لڑکا

کسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک سبزی فروش نہایت تنگدست تھا وہ دن بھر اپنی دوکان پر نہایت محنت سے کام کرتا لیکن اس کے گھر کا خرچ نہایت مشکل سے چلتا تھا۔ اس کا صرف ایک بیٹا تھا جس سے نہایت پیار کرتا تھا۔

سبزی فروش اپنے پیشے سے تنگ آ گیا تھا اور کہتا، میں نے عمر کے ایک حصہ میں سبزی فروشی کی ہے لیکن میری حالت نہیں سدھری۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ اپنے بیٹے کو خوش بخت بناؤں، اسے ایسے کام پر لگاؤں کہ کل مجھ سے بہتر زندگی گزارے۔

تجارت کیلئے کافی سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عدالتوں کے کام اور ملازمت کیلئے سفارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا اپنے پیشے سے منسلک رہوں گا لیکن بہتر ہوگا کہ اپنے بیٹے کو کوئی ہنر سکھاؤں تاکہ عزت اور سعادت حاصل کرے لیکن لوہاروں کا پیشہ؟ لوہاروں کا بازار؟ اس پیشے سے بھرا ہے۔ ہاں ہاں! زرگری؟ جب تک اپنے پاس سونا نہ ہو زرگروں کو بھی مزدوری نہیں ملتی۔ لیکن بڑھئی؟ نہیں۔

جولاہے کا کام؟ نہیں یہ بھی ممکن نہیں۔ بہتر ہوگا کہ کسی پڑھے لکھے اور خوش حال شخص سے مشورہ کروں، جن لوگوں نے اس دُنیا میں ترقی کی ہے وہ بہتر طور پر جانتے ہیں کہ وہ اعلیٰ مقام پر کس طرح پہنچے ہیں۔

سبزی فروش کا ایک پڑوسی نہایت آبرومندانہ زندگی بسر کر رہا تھا اور محلّہ میں اسے نہایت عزت و تکریم سے دیکھا جاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ کسی بڑے مدرسے میں استاد ہے۔

سبزی فروش کبھی کبھار اسے دیکھتا تھا اور اس کا اخلاق اور گفتار پسند کر چکا تھا۔ اس کے اہل خانہ بھی اس کی دوکان سے سبزی خریدتے تھے۔ اس لئے اپنے دل میں کہنے لگا، یہ شخص سعادت مند اور بزرگوار ہے۔ اس کی عقل بھی مجھ سے بہتر ہے اس لئے اس سے مشورہ کروں گا اور اس پر عمل کروں گا۔

وہ ایک دن ہمسائے کے پاس گیا اور کہا، اے عزیز! اگرچہ ہم دونوں کا درجہ یکساں نہیں ہے لیکن مجھے تم سے عقیدت ہے۔ میں تمہارا حسن سلوک دیکھ چکا ہوں تمہارے دوست اور رِشتہ دار بھی لوگوں میں محبوب اور محترم ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے بیٹے باادب اور تمہارے دوست باسعادت ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا شغل کیا ہے لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم ہر خاص و عام کے عزیز اور محترم ہو۔

اے بزرگ! میرا ایک لڑکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ خوش بخت ہو اس لئے مجھے بتاؤ کہ اسے کون سے کام پر لگاؤں تا کہ اس کا مستقبل روشن ہو۔

استاد نے جواب دیا، میرے عزیز! ہمارے اردگرد جو لوگ رہتے ہیں وہ کونسا کام کرتے ہیں؟ دنیا میں ہر شخص کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے اسی سبزی فروشی کو ہی دیکھ لو! اس میں کون سی برائی ہے؟

سبزی فروش نے کہا، میں سبزی فروشی، بقالی چقالی کا خواہشمند نہیں ہوں بلکہ میں تو اپنے لڑکے کیلئے کسی عمدہ کام اور خوش بختی کا خواہشمند ہوں۔

استاد نے کہا، بہت بہتر! کیا تم اسے چند سال کام سیکھنے میں مدد دے سکتے ہو؟ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس کی روزانہ مزدوری کی اُمید نہ رکھنا اس صورت میں مسئلہ کی کنجی تمہارے حوالے کردوں گا اس کے بعد فیصلہ خود ہی کر لینا۔

استاد نے کہا، کیا تم چینی سازی کے فلاں کارخانے کو جانتے ہو جو سامنے والی سڑک پر واقع ہے؟

سبزی فروش نے کہا، ہاں! میں کارخانے کو جانتا ہوں لیکن اس کے مالک سے میری کوئی واقفیت نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ شہر کے بزرگ اور دولت مند لوگ ہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرا لڑکا چینی کے برتن بنائے۔ ہمارے پاس سرمایہ نہیں ہے اس لئے میرا لڑکا آخری عمر تک مزدور ہی رہے گا۔

استاد نے کہا، نہیں! میں یہ نہیں کہتا کہ اسے چینی سازی کے کارخانے میں مزدوری پر لگاؤ بلکہ میرا مقصد کچھ اور ہے۔ میں اس کارخانے کے مالک کو جانتا ہوں۔ یہ شخص چینی سازی کے کام میں ماہر ہے اور ہر قسم کا کام جانتا ہے۔ میں اس کے باپ کو بھی جانتا ہوں۔ اس کا باپ ایک عام کوزہ گر تھا جس نے ایک کوزہ گر کی شاگردی میں یہ کام سیکھا تھا۔

تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ کوزہ گری کا سرمایہ مٹی، پانی اور آگ ہے۔ قدرے شیشہ بھی ضرورت پڑتا ہے اسی طرح تھوڑا سا رنگ اور کچھ دیگر چیزیں۔

اس کارخانے کے مالک کا باپ انہی چیزوں سے پیالے اور کوزے بناتا تھا اور فروخت کرتا تھا اور نہایت محنت سے روٹی کماتا تھا بلکہ یوں کہو کہ تمہاری طرح سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔

سبزی فروش نے کہا، ہاں! کوزہ گری بھی سبزی فروشی کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محنت طلب کام ہے ایک کوزہ گر بہر حال ایک کوزہ گر ہی ہے لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ مجھے مستقبل کی کنجی کی نشاندہی کروگے۔

استاد نے کہا، ہاں ہاں! میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کارخانے کے مالک کے باپ نے اپنے بیٹے کو مدرسہ بھیجا اور چند سال میں پڑھ لکھ گیا اس کے بعد اسے ایک ایسے مدرسے بھیجا، جہاں اس نے مٹی کی پہچان، رنگوں کی شناخت اور پتھروں کی درجہ بندی سیکھ لی۔ اس کا باپ مٹی کی اقسام اور اس کی شناخت سے ناواقف تھا لیکن بیٹا اس بارے میں سب کچھ جانتا تھا باپ' پرانی طرز کے کوزے بنایا کرتا تھا لیکن بیٹے نے تازہ اور ترقی یافتہ نمونے سیکھ لئے ہیں۔ چونکہ لڑکا پڑھا لکھا اور سمجھدار تھا اس لئے اسی مٹی، اسی پانی اور اسی آگ سے مٹی کے کوزوں اور پیالوں کے بجائے چینی کے پیالے بنانے لگا۔ چونکہ علم وفن کا ماہر تھا اسلئے دوسروں سے عمدہ برتن بنانے لگا اور اس کے گاہک بھی زیادہ بن گئے۔ اس نے اپنے کام کو ترقی دی اور چینی کے برتن بنانے کا کارخانہ بنالیا۔ اب تم دیکھ رہے ہو کہ شہر کے اچھے خاصے دولت مندوں سے ہے۔

میں تمہیں یہ بھی کہوں گا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ سبزی فروشی کوئی معمولی کام ہے بلکہ میری نظر میں تو سبزی فروشی، بقالی لوہاروں اور ترکھانوں کا پیشہ، تجارت، وزارت اور خلافت سب برابر ہیں۔ ہر شخص اپنے کام اور پیشہ میں ترقی کرسکتا ہے اور بزرگی اور بزرگواری کے رُتبہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن یہ کام کوشش اور دل جمعی کے فقدان سے ویسے کا ویسا رہے گا اور سب کی نظروں میں حقیر اور ناچیز شمار کیا جائیگا۔ ہاں! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ سب کاموں میں خوش بختی کی کنجی علم ودانش میں ہے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا بیٹا سعادت مند ہو تو اسے مدرسہ بھیجو، تاکہ کسی نہ کسی ہنر میں استاد بن سکے۔ جب اس کے پاس یہ کنجی موجود ہوگی تو یہی سبزی فروشی اسے مجھ سے اور تجھ سے زیادہ خوش بخت بنادے گی۔

جب ایک سبزی فروش سبزیوں اور انکے خواص جان لیتا ہے انکی دیکھ بھال اور حفاظت سے آگاہ ہوجاتا ہے تو عمدہ سبزی خریدتا ہے اور اچھے داموں بیچتا ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ لوگوں کی پسند کا خیال رکھے، سبزیوں کو صاف ستھرا رکھنے سے واقف ہو۔ ان کی اچھی طرح درجہ بندی کرے۔ اگر اس کے گاہک غیر ملکی ہوں تو ان کی زبان جانتا ہو اگر کوئی سبزی کمیاب اور مرغوب ہو تو اسے معلوم ہو کہ کہاں سے دستیاب ہوگی۔ اگر اس کے پاس زیادہ جنس آگئی ہو تو اسے معلوم ہو کہ اسے کس طرح خشک کرے اور کیسے کام میں لائے...... خلاصہ یہ کہ اسی سبزی فروشی میں تمہارے لڑکے کو ماہر اور تجربہ کار ہونا چاہئے۔

وہ ایسا رویہ اختیار کرے کہ لوگ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں اور اس کے گاہک بنیں اور تجارتی امور میں اس کا ساتھ دیں بلکہ اس کے کاروبار میں شراکت کریں اور سرمایہ لگائیں اور آہستہ آہستہ کئی دوکانوں اور کھیتوں کے مالک بن جائیں۔

خشک سبزیوں کے فروخت کرنے اور دوسری منڈیوں سے واقف ہوں لیکن اسکی شرط یہ ہے کہ اسے سبزیوں کے علم کی سمجھ بوجھ ہو۔ نیز زندگی کے دوسرے کام بھی اسی طرح انجام دیئے جاتے ہیں۔ بے علم کیلئے یہ کام مشکل اور باعلم کیلئے آسان ہوتا ہے اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ عقل اور سمجھ خارستان کو بھی گلستان بنا دیتے ہیں۔

میرے دوست! اپنے لڑکے کو مدرسہ میں داخل کرو، اسے چند سالوں کے بعد خود معلوم ہو جائے گا کہ کون سا پیشہ اختیار کرے۔

سبزی فروش نے کہا، تو نے درست اور سچ کہا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے علم عمدہ خوبی ہے لیکن مجھے اس کی روشنی کی سمجھ نہ تھی پس سبزی فروشی میں بھی کوئی عیب نہیں ہے پس میرے کام میں یہ عیب ہے کہ میں اپنے کام اور پیشہ سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔

سبزی فروش نے اپنے لڑکے کو چند سال مدرسہ بھیجا اور کہا، تم جب پڑھ لکھ کر دانشمند بن جاؤ گیا تو اپنی مرضی، عقل اور سمجھ پر عمل کرنا۔

لڑکا چند سال مدرسہ جاتا رہا۔ جب اس نے تعلیم کا ایک دورہ ختم کر لیا تو کہنے لگا، ابھی مجھے تعلیم جاری رکھنی ہے چونکہ اس شہر میں بڑا مدرسہ نہ تھا اس لئے باپ نے اسے بڑے شہر بھیج دیا۔ اسے ہر ماہ خرچ بھیجتا رہا اور لڑکا دن رات پڑھتا رہا۔ پرانے زمانے کے مدرسے ایک دو کمروں پر مشتمل ہوتے تھے جن میں زیادہ ساز و سامان نہ ہوتا تھا، وہیں سبق پڑھا جاتا، امتحان ہوتا اور ہر شخص اپنی گزر بسر خود کرتا تھا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ لڑکے کی رقم ختم ہوگئی اور گھر سے بھی رقم نہ پہنچی تھی۔ لڑکے نے چاہا کہ اپنے لئے سبزی پکائے اسلئے سبزی فروش کے پاس گیا جو مدرسہ کے قریب تھا اور کہنے لگا، مجھے کچھ سبزی دیں لیکن میرے پاس رقم نہیں ہے تاہم میں کئی چیزیں جانتا ہوں جو تمہیں سکھا سکتا ہوں مثلاً انشاء نقاشی، حساب، جیومیٹری، تاریخ، جغرافیہ اور فقہ وغیرہ۔ تمہیں جو مسئلہ پوچھنا ہے مجھ سے دریافت کر سکتے ہو تاکہ تمہیں سکھا دوں اور کے بدلے مجھے تھوڑی سی سبزی دے دیں۔

سبزی فروش نے قہقہہ لگایا اور ہنستے ہوئے کہا، تمہارے مسائل میرے لئے کسی کام کے نہیں ہیں۔ میں رقم دے کر سبزی خریدتا ہوں اور رقم لے کر بیچتا ہوں اس لئے کہ مجھے بھی گزر بسر کرنی ہے۔ اگر میں نے مسئلہ سیکھنا ہوتا تو مدرسے جاتا۔ ہاں! اگر چاہو تو سبزی اُدھار لے جاؤ، جب تمہاری رقم آجائے گی تو حساب بیباق کر دینا۔

لڑکا نہایت پریشان ہو گیا اور کہنے لگا، مجھے سبزی کی ضرورت نہیں ہے وہ پڑھنے پڑھانے سے بھی بیزار ہو گیا اور جونہی اسکی رقم آئی تو اپنے قرضہ جات ادا کیئے اور پہلے قافلہ کے ہمراہ باپ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا، ابا جان! ہم جو چیزیں پڑھتے ہیں اس سے ہمیں بزرگی اور بزرگواری نہیں مل سکتی بلکہ میرا علم تھوڑی سی سبزی بھی نہیں خرید سکتا پس میرے لئے یہی سبزی فروشی سب کاموں سے بہتر ہے۔

باپ نے کہا، استاد کے قول کے مطابق سبزی فروشی بھی عمدہ کام ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم سبزی شناس اور زندگی شناس بنو۔ بہتر ہوگا کہ اس واقعہ کے بارے میں استاد سے مشورہ کریں۔

دونوں باپ بیٹا استاد کی خدمت میں پہنچے اور کہا، میرا بیٹا چند سال سبق پڑھنے کے باوجود اپنے علم سے تھوڑی سی سبزی بھی نہیں خرید سکتا، اس لئے جس علم کا کوئی خریدار نہ ہو وہ انسان کے کس کام آ سکتا ہے؟

استاد مسکرایا اور کہنے لگا، میں اس کا جواب کل بتاؤں گا۔ استاد کے پاس ایک قیمتی موتی تھا جو بجلی کی طرح چمکتا تھا۔ دوسرے دن اس نے اپنی ملازمہ کو وہی موتی دے کر کہا، اسے سبزی فروش کے پاس لے جاؤ اور کہو ہمارے گھر رقم نہیں ہے اور ہمیں سبزی کی ضرورت ہے۔ یہ موتی لے لو اور ہمیں اپنی ضرورت کے مطابق سبزی دے دو۔

سبزی فروش نے موتی لیا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا، یہ موتی میرے کسی کام کا نہیں ہے میں سبزی رقم سے خریدتا ہوں اور رقم سے بیچتا ہوں اگر چاہو تو سبزی اُدھار لیجاؤ، رقم بعد میں دے دینا، ایسے شیشے تو شیشہ گروں کے بازار میں کوڑے کرکٹ کی طرح پڑے رہتے ہیں بلکہ اس جیسے سینکڑوں شیشے ایک دِرہم میں مل جاتے ہیں۔

ملازمہ نے کہا، نہیں مجھے اُدھار نہیں لینا۔ میں اسے جوہری کے پاس بیچ کر ابھی آتی ہوں۔

سبزی فروش نے کہا، جیسے تم چاہو لیکن میری بہن! خاطر جمع رکھو یہ شیشہ کوئی بھی نہ خریدے گا۔

سبزی فروش کے لڑکے نے بھی موتی دیکھ لیا تھا، وہ کہنے لگا، ہاں خالہ! یہ شیشے تو لکڑی کے سامان میں استعمال ہوتے ہیں اور ایک دِرہم میں اس جیسے چھ دانے ملتے ہیں۔

ملازمہ واپس آ گئی اور تمام باتیں استاد سے بیان کر دیں۔ استاد نے موتی لے لیا اور سبزی فروش کے پاس آ کر کہنے لگا، کیا تم اسے پہچانتے ہو؟

سبزی فروش نے کہا، ہاں! اسے ابھی ابھی ایک خاتون لائی تھی جو اس کے بدلے سبزی خریدنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے کہا کہ یہ ہمارے مطلب کا نہیں ہے۔ کیا تمہارے گھر سے لایا گیا تھا؟ سبزی کس لئے نہیں لے گئے؟ حالانکہ میں نے کہہ دیا تھا کہ جتنی سبزی کی ضرورت ہو، لے جاؤ۔

استاد نے کہا، میں تمہارا مشکور ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ ایک ضروری کام کیلئے میرے ہمراہ بازار آؤ۔

سبزی فروش نے کہا، بسر وچشم! میں تمہاری خدمت میں حاضر ہوں۔ میرا بیٹا یہاں موجود ہے اسلئے مجھے تمہارے ہمراہ جانے میں کوئی عذر نہیں۔

استاد نے کہا، بہتر ہوگا کہ تمہارا لڑکا بھی ہمارے ساتھ آئے اگر کچھ دیر کیلئے دوکان بند ہوگئی تو کوئی نقصان نہیں ہے۔

سبزی فروش نے دوکان کا دروازہ بند کر دیا اور تینوں چل پڑے اور زرگروں اور جوہریوں کے بازار پہنچ گئے۔

استاد نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ یہ موتی چند زرگروں کو دِکھاؤں؟ اس نے ایک زرگر کو موتی دکھایا اور کہا، میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔

زرگر نے نہایت غور سے اسے دیکھا اور ترازو میں وزن کیا، پرکار سے اس کا حجم اور جسامت ماپی اور خوردبین لے کر غور سے دیکھنے کے بعد چراغ کے سامنے گھما کر اسے خوب دیکھا بھالا اور کہنے لگا، میں اسے سات سو تومان کے عوض خریدنے کیلئے تیار ہوں۔

استاد نے پوچھا، کیا اس سے زیادہ قیمت نہیں دے سکتے؟

زرگر نے کہا، ممکن ہے کسی دوسری دوکان سے زیادہ قیمت مل جائے لیکن میں اس سے زیادہ کا خریدار نہیں ہوں۔

سبزی فروش اور اس کا لڑکا نہایت متعجب تھے اور استاد کے ہمراہ ایک دوسری دکان پر جا پہنچے۔ اس زرگر نے بھی موتی غور سے دیکھا اور کچھ قیمت بڑھا دی۔

ایک دوسرے زرگر نے موتی کی کئی طرح سے آزمائش کی، اس نے بوتل سے زرد رنگ کی دوا نکالی اور دیا سلائی کی تیلی پر روئی لپیٹ کر موتی پر یہی دوائی لگائی اور اسے اچھی طرح صاف کر کے خوردبین سے دیکھ کر کہا، ایک بات؟ میں اسے ڈیڑھ ہزار تومان میں خریدنے کیلئے تیار ہوں لیکن استاد پھر بھی راضی نہ ہوا۔

استاد نے کہا، اب ہمارا کوئی کام نہیں ہے اس لئے لوٹ چلیں، رستہ میں اس نے سبزی فروش اور اسکے لڑکے سے کہا، میرے عزیزو! تم نے دیکھ لیا کہ یہ موتی تمہارے خیال کے مطابق شیشے کا ٹکڑا ہے جس کے چھ دانے ایک دِرہم میں ملتے ہیں لیکن میں نے اسے ڈیڑھ ہزار تومان میں بھی فروخت نہیں کیا۔ پس ثابت ہوگیا کہ یہ خالص موتی ہے لیکن تم جوہر شناس نہیں ہو اس لئے اس کے عوض تھوڑی سی سبزی دینے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔ یہ دلیل موتی کے کم قیمت ہونے کی نہیں ہے بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چیز کا خریدار وہی ہوتا ہے جسے اس کی پہچان اور قدر ہوتی ہے اس جنس کا مخصوص بازار ہوتا ہے جہاں کوئی طرح کے ماہرین ہوتے ہیں۔

میرے بھائی! جس سبزی فروش نے تمہارے بیٹے کو سبزی نہ دی تھی، وہ علم و دانش کا خریدار نہ تھا لیکن علم و دانش کے خریدار اور اسکے حاصل کرنے والے لاتعداد ہیں۔ تمہارا یہی لڑکا اگر مزید چند سال تعلیم حاصل کرے تو کمالیت کے درجہ پر پہنچ کر موتی بن جائیگا اور سبزی فروشی کی سینکڑوں دوکانوں سے بھی قیمتی بن سکتا ہے یا پھر اپنی ہی سبزی فروشی کی دوکان جواہرات کے خزانے میں تبدیل کرسکتا ہے۔

سبزی فروش کے لڑکے نے کہا، میں سب باتیں سمجھ گیا ہوں اور کل ہی سے دوبارہ سبق پڑھنے میں لگ جاؤنگا۔ اب میں کسی تکلیف اور محنت سے نہ گھبراؤں گا اور کوشش کروں گا کہ اس مقام پر پہنچ جاؤں کہ اپنی سبزی کی دکان جواہرات کا خزانہ بنا سکوں۔

سبزی فروش کا لڑکا زراعت میں فارغ التحصیل ہوگیا اور اپنے شہر لوٹ آیا اور کھیتی باڑی میں مشغول ہوگیا۔ اس نے اپنی تعلیم اور ہنر کے مطابق اپنے والد کی دوکان میں توسیع کی اور چند سالوں کی محنت کے بعد خوش حال ہوگیا۔

اب اس نے سبزی فروشی کے کام میں کافی تبدیلی کرلی تھی اس لئے کہ اب وہ سبزی کے چند عمدہ کھیتوں کا مالک تھا۔

اب وہ جڑی بوٹیوں کو کاشت و برداشت بھی کر رہا تھا اور انہیں اچھے داموں دوا سازوں کے ہاں فروخت کر دیتا تھا۔

اب اسے مرتبہ، عزت، بزرگی اور بزرگواری مل گئی تھی جسے دیکھ کر چینی سازی کے کارخانے کا مالک بھی تعجب کرنے لگا۔

پالان دوزون کا مدرسہ

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب پڑھے لکھے بہت کم تھے۔ اکثر لوگ گھر میں یا چھوٹے بڑے مکتبوں میں قرآن پاک، دعائیں اور بعض مذہبی کتابیں یاد کر لیتے لیکن لکھنا نہیں سیکھتے تھے بلکہ ہاتھ سے لکھا ہوا خط بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔

اس زمانہ میں جو شخص لکھ پڑھ لیتا تھا سب لوگ اس کی عزت اور قدر کرتے تھے اس کے بعد جب پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ زیادہ ہوا تو علم اور تعلیم کا درجہ بھی بڑھ گیا۔ جو شخص اپنی مادری زبان لکھ پڑھ لیتا تھا اسے خواندہ کہا جاتا تھا لیکن انکی بھی درجہ بندی ہوتی اور کہا جاتا یہ خواندہ ہے اور لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے یعنی معلم اور دانشمند ہے۔ ہاں! ہمارے قصے کا تعلق پرانے زمانہ سے ہے۔

ایک گاؤں میں صرف چار پانچ افراد خواندہ تھے ایک مسجد میں پیش امام تھا ایک مکتب کا معلم تھا ایک علی کا درویش تھا جو اشعار لکھتا تھا ایک حاجی تھا جو گاؤں کی نصف زمین کا مالک تھا اور ایک محلّہ کا بقال تھا۔

اس گاؤں کا مدرسہ ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ جو ابھی ابھی بنا تھا۔ اس میں بچوں کو خط لکھنا اور تھوڑا بہت حساب کتاب سکھایا جاتا تھا۔

اسی گاؤں کا لوہار حسن علی جو گھوڑوں کے نعل، درانتیاں، آرے اور بیلچے بناتا تھا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اَن پڑھ تھا اس کا ہمسایہ مشہد جا رہا تھا جہاں اس کا لڑکا محنت مزدوری کرتا تھا۔ حسن علی چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کو خط لکھے۔ اسکے کام کاج کا پوچھے اور وہاں سے کچھ سامان منگوائے جس کی اسے ضرورت تھی۔

حسن علی کو جب معلوم ہوا کہ اس کا ہمسایہ سفر کی تیار کر رہا ہے تو وہ دوڑتا ہوا بقال کے پاس گیا اس سے کاغذ اور لفافہ خریدا اور چاہا کہ بقال سے خط لکھوائے لیکن بقال کے شاگرد سے معلوم ہوا کہ وہ تو شہر گیا ہوا ہے۔

حسن علی دوڑا ہوا علی کے درویش کے گھر گیا لیکن وہ بھی دوسرے گاؤں کے کھلیان سے غلہ مانگنے گیا تھا اسلئے اپنے دل میں کہنے لگا پیش امام، اس کی بیوی اور حاجی محمد بھی خط نہ لکھ سکیں گے اس لئے بہتر ہوگا کہ مکتب کے معلم کے پاس جاؤں۔

حسن علی نے دیکھا کہ معلم بیٹھا ہے اور اسکے شاگرد کندھے سے کندھا ملا کر سبق پڑھ رہے ہیں اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

حسن علی اجازت لیکر معلم کے پاس گیا اور کہا جناب معلم! میں تمہارے کام میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن میرا ہمسایہ مشہد جا رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعے اپنے لڑکے کو خط بھیجوں۔ بقال اور علی کا درویش ہمیشہ میری مدد کرتے ہیں لیکن اس وقت موجود نہیں ہیں۔ میں آپ کے ہاتھوں پر قربان جاؤں مجھے ایک مختصر سا خط لکھ دیں۔ آپ جو ہدیہ فرمائیں گے پیش کروں گا۔

معلم نے کہا، میں اس وقت بچوں کو پڑھا رہا ہوں اگر مدرسہ کی تعطیل ہوتی تو مجھے کوئی عذر نہ ہوتا لیکن میں اب بھی کوئی انتظام کرتا ہوں۔

معلم نے ایک شاگرد کو آواز دی اور کہا، جواد! جاؤ اور اس کونے میں بیٹھ جاؤ اور دیکھو کہ حسن علی کیا چاہتا ہے۔ اسے خط لکھ دو۔

حسن علی اور جواد بیٹھ گئے اس نے جو باتیں کہیں جواد نے لکھ دیں۔ جب خط مکمل ہو گیا تو اس نے پوچھا کیا سب باتیں لکھ دی ہیں؟

جواد نے کہا، ہاں! میں ایک مرتبہ تمہیں سنا دیتا ہوں اگر کوئی بات رہ گئی ہے تو وہ بھی لکھ دوں گا۔

جواد نے خط پڑھا تو حسن علی نے دیکھا کہ جواد نے نہایت عمدہ خط لکھا ہے اس لئے بہت خوش ہوا اور دل میں کہا، اس لڑکپن میں ہی یہ بچہ کتنا پڑھ لکھ گیا ہے۔ اس لئے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے پڑھنا لکھنا اسی مدرسہ میں سیکھا ہے؟

جواد نے کہا، یہ تو ظاہر ہے۔ ہمارے خاندان میں کوئی شخص پڑھا لکھا نہیں ہے۔ میں نے لکھنا پڑھنا اسی مکتب کے جناب **معلم** سے سیکھا ہے۔ میں گھر میں اپنی بہن کو بھی لکھا پڑھا رہا ہوں لیکن ابھی میری کافی تعلیم باقی ہے۔

حسن علی نے کہا، بارک اللہ! تم اچھے خاصے پڑھ لکھ گئے ہو اسکے بعد معلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، میں آپ کا ممنون ہوں میرا کام مکمل ہو گیا ہے لیکن ایک اور کام بھی ہے، عصر کے وقت جب مدرسہ کی چھٹی ہو گی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

معلم نے حسن علی سے خط لے کر دیکھا اور کہا، آفرین جواد! تمہاری لکھائی کتنی عمدہ ہے۔

جواد نے سر جھکا لیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ حسن علی بھی خط لے کر چلا گیا اور اپنے ہمسائے کے حوالے کر دیا اور معاملہ ختم ہو گیا لیکن حسن علی ابھی تک سوچ رہا تھا کہ جواد ابھی بچہ ہے اور ایسی عمدگی سے خط لکھ سکتا ہے کہ جناب **معلم** بھی اسے شاباش دیتا ہے حالانکہ اس نے صرف چند ماہ تعلیم حاصل کی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے جواد اسی پالان دوز کا لڑکا ہے جو آخری محلہ میں رہتا ہے جواد تو گلی کوچوں میں کھیلا کرتا تھا اب اسے مکتب میں آئے ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا۔ اگر میں بھی ایک سال مدرسہ جاتا تو خواندہ بن سکتا تھا، کیا میں سات سالہ بچے سے کم فہم ہوں؟

حسن علی عصر کے وقت معلم کے گھر آیا اور انگوروں کا ایک خوشہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہوئے کہا، یہ ہدیہ آپکی اس زحمت کی خاطر ہے جو آپ نے خط لکھواتے وقت برداشت کی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں لیکن اب ایک چیز دریافت کرنے کیلئے آیا ہوں کہ کیا اس مکتب میں صرف بچے ہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں یا جوانوں اور بوڑھوں کو بھی داخلہ مل سکتا ہے؟

معلم نے کہا، یہ کیسی باتیں ہیں؟ لکھنا پڑھنا بہت آسان ہے، جس شخص کی خواہش ہو تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بڑی عمر کے لوگ تو جلد خواندہ بن سکتے ہیں۔

حسن علی نے کہا، یہ تو عجیب بات ہے! بچے تو شروع میں نہیں چاہتے کہ مکتب جائیں بلکہ بزرگ انہیں مدرسہ لے آتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ انہیں شوق دِلائیں اور خواندہ بنائیں۔ یہی بچے جب تعلیم حاصل کرتے ہیں تو انہیں خود معلوم نہیں ہوتا کہ تعلیم ان کے کس کام آئے گی؟ بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کریں لیکن جوانوں اور بزرگوں کو بہتر زندگی گزارنے کیلئے علم کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور انہیں علم کی قدر بھی ہوتی ہے اس لئے دلجمعی اور شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

حسن علی نے کہا، بہت خوب! میں نے آج سے تہیہ کرلیا ہے کہ خواندہ بنوں لیکن میں تو دن کے وقت دوکان پر کام کرتا ہوں اس لئے مکتب نہیں آسکتا۔ کیا میں رات کو آپ کے یہاں آکر سبق پڑھ سکتا ہوں؟

معلم نے کہا، دن کو مکتب میں بچوں کو پڑھاتا ہوں اور رات کو میرا کام کتابیں لکھنا ہے اس لئے رات کو میرے پاس وقت نہیں ہے کہ کسی کو پڑھا سکوں۔ یہ بچے جب لکھنے پڑھنے کے قابل اور خواندہ بن جائیں گے تو گاؤں میں ان کی تعداد زیادہ ہوجائے گی پھر ہر ایک بچہ دوسروں کو پڑھا سکے گا اور آہستہ آہستہ کئی بچے اور جوان خواندہ بن جائینگے بالکل اسی طرح جیسے یہی جواد اپنے گھر میں بہن کو پڑھا رہا ہے بلکہ اس کی بہن کا خط جواد سے بہتر اور خوبصورت ہے۔ مجھے کام کرنے اور مزدوری لینے سے انکار نہیں ہے لیکن رات کو مدرسہ قائم نہیں کر سکتا۔

حسن علی نے کہا، یہ تو بہت مشکل ہے کہ آدمی ایک روز میں یا ایک رات میں خواندہ بن سکے۔

معلم نے ہنستے ہوئے کہا، نہیں ایسا کوئی رستہ نہیں ہے۔ لکھنا پڑھنا نہ دعا سے نہ نذر و نیاز سے سیکھا جاتا ہے ایک رات یا ایک روز میں بھی نہیں سیکھا جا سکتا۔ جو شخص پڑھنا چاہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ چار ماہ یا ایک سال تکلیف برداشت کرے اور محنت کرے وقت خرچ کرے، اپنے حواس جمع کرے تب کہیں جاکر خواندہ بن سکتا ہے۔ لکھنا پڑھنا علم کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں امیر اور غریب کو مساوی قرار دیا ہے۔ کئی چیزیں مال و دولت سے خریدی جاسکتی ہیں یا طاقت کے بل بوتے حاصل کی جاتی ہیں یا دعا سے مانگی اور طلب کی جاتی ہیں لیکن علم کیلئے ضروری ہے کہ اس کی تلاش کی جائے، وقت صَرف کیا جائے اور محنت کی جائے جو بہتر طور پر یاد کرتا ہے لکھ پڑھ سکتا ہے ورنہ مال و دولت ہونے کے باوجود اگر سبق نہ پڑھے گا تو خواندہ نہ بنے گا۔

حسن علی نے کہا، اچھا ہے کہ اس کام میں بے انصافی نہیں ہے لیکن بابا طاہر ہمدانی کے بارے میں تم کیا کہو گے؟ میں نے سنا ہے کہ بابا طاہر سے کسی نے مذاق کیا تھا جس سے وہ رنجیدہ ہوگیا اس نے ایک استاد سے پوچھا کہ انسان خواندہ کس طرح بنتا ہے؟ استاد نے بھی مزاحاً کہا کہ مدرسہ کے حوض کے ٹھنڈے پانی سے غسل کرو، اس نے بھی وہی کام کیا اور رات میں خواندہ اور شاعر بن گیا۔

معلم نے کہا، ایسی باتیں سننے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن ان پر یقین نہ کرو۔ یہ روایت سینگوں والے اونٹ کی مانند ہے بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بابا طاہر خواندہ نہ تھا۔ اسے شعر کہنے کا شوق تھا اس کے بعد اس نے لکھنا پڑھنا سیکھا اور کافی عرصہ تکلیف برداشت کی

اور پھر کہیں جا کر اپنی بیاض مرتب کی، لیکن لوگوں کو عجیب وغریب باتیں پسند آتی ہیں اس لئے جو لوگ کسی کا مرتبہ بڑھانا چاہتے ہیں تو ایسی جھوٹی کرامتیں اس سے منسوب کردیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے صوفیوں اور درویشوں سے کئی کرامات منسوب کردیتے ہیں، جو اکثر جھوٹ ہوتی ہیں۔شاید بابا طاہر ہمدانی کا حافظہ زیادہ ہو اور جو چیزیں سنتا ہو، جلد یاد کرلیتا ہو۔ہاں! اگر وہ خواندہ تھا تو لازمی طور پر دوسرے لوگوں کی طرح مدرسہ گیا ہوگا، سبق پڑھا ہوگا، مشق کی ہوگی اور یاد کیا ہوگا۔بالکل اسی طرح جیسے یہ بچے پڑھ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں تاکہ خواندہ بنیں اسکے علاوہ تعلیم حاصل کرنے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے البتہ پیغمبروں کے واقعات الگ ہیں۔ان کے علاوہ دنیا میں جو شخص بھی خواندہ ہے لازمی طور پر اس نے سبق حاصل کیا ہے اور یاد کیا ہے جو زیادہ لکھا پڑھا ہے اس نے زیادہ محنت کی ہے اور زیادہ وقت خرچ کیا ہے۔جس نے کم عرصہ تعلیم حاصل کی ہے اس نے کم محنت کی ہے اور تھوڑا وقت خرچ کیا ہے۔

حسن علی نے کہا، اب مجھے کیا کرنا چاہیۓ۔میں چاہتا ہوں کہ لکھنا پڑھنا سیکھ لوں اگر کوئی شخص مجھے لکھا پڑھا سکے تو اس میں کتنا عرصہ درکار ہوگا؟

معلم نے کہا، یہ تمہاری محنت اور استعداد پر ہے، ایک شخص تین ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں خواندہ بن جاتا ہے اور کسی کیلئے ایک سال لگ جاتا ہے۔اس لئے تم رات کو اسی جواد کے ہاں جاؤ، وہ تمہیں پڑھا دے گا اس کے بعد اپنے گھر مشق جاری رکھنا تاکہ کتابیں پڑھنے اور خط لکھنے کی مہارت بھی حاصل کرسکو۔

حسن علی نے پوچھا، کیا جواد اس قابل ہے کہ مجھے پڑھا سکے؟

معلم نے کہا، کیوں نہیں! کیا میں نے تجھے نہیں بتایا کہ اس نے اپنی بہن کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا ہے؟ کیا تم چھ سالہ بچی کے مانند استعداد نہیں رکھتے۔

تمہارے بیٹے نے تجھ سے لوہاروں کا کام سیکھا ہے۔کیا وہ کسی دوسرے آدمی کو یہ ہنر نہیں سکھا سکتا؟

حسن علی نے کہا، کیوں نہیں۔

معلم نے کہا، لکھنے پڑھنے کی مثال بھی ایسی ہی ہے جو شخص جانتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ دوسروں کو سکھائے اگر تھوڑا جانتا ہے تو تھوڑا سکھائے، اگر زیادہ جانتا ہے تو زیادہ سکھائے۔اسی جواد کو دیکھ لیں یہ ہر کتاب پڑھ سکتا ہے، ہر قسم کی تحریر نہایت عمدگی سے لکھ لیتا ہے اگر مزید تعلیم جاری رکھے گا تو کمال حاصل کرے گا۔

حسن علی نے کہا، آپ نے اپنی عمدہ باتوں سے مجھے خوشحال کر دیا ہے اور مجھے اچھا رستہ دکھایا ہے اگر میں نے خط لکھنا سیکھ لیا تو یہ بھی بہت بڑا کام ہے بلکہ آپ کی رہنمائی کا مشکور رہوں گا۔

حسن علی جواد کے باپ کے پاس پہنچا جو اس شہر کا عمدہ پالان دوز تھا اور کہا داستان اور واقعہ یہ ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو؟

پالان دوز نے کہا، جب میں جواد کو کتابیں پڑھتے اور لکھتے ہوئے دیکھتا ہوں تو لطف محسوس کرتا ہوں لیکن میں خود اپنے بچوں کیلئے صبح سے شام تک کام کرتا ہوں اسلئے جواد کو مجبور نہیں کر سکتا کہ یہ رات کے وقت کسی کو درس دے بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ خود راضی اور آمادہ ہو جائے۔ ہاں! اگر اس نے قبول کر لیا تو تمہیں یہاں آنا ہوگا اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ غروب آفتاب کے بعد بچے گلی کوچوں میں آتے جاتے رہیں۔

حسن علی نے کہا، جیسے تمہاری خواہش ہوگی، مجھے تو تعلیم حاصل کرنی ہے۔

پالان دوز نے کہا، وہ سامنے سے جواد بھی آ رہا ہے۔ ابھی اس سے پوچھ لیتے ہیں۔ جس وقت جواد کے سامنے موضوع لایا گیا تو وہ کہنے لگا مجھے کل تک سوچنے کی مہلت دو کہ میں اس کام پر پورا اُتر سکتا ہوں یا نہیں۔

دوسرے دن حسن علی آیا تو جواد بھی اپنے باپ کے پاس موجود تھا۔ اس لئے کہنے لگا، میں نے کافی سوچ و بچار کے بعد ایک پروگرام بنایا ہے اگر اسے قبول کرو تو بسم اللہ، ورنہ مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

میں دن کو مکتب میں اپنا سبق پڑھوں گا۔ کچھ دیر کھیل میں بھی مشغول رہوں گا اور باقی وقت گھر پر اپنا سبق یاد کروں گا۔ رات کو پڑھنے پڑھانے میں میرا کافی وقت خرچ ہوگا لیکن اس میں کئی فوائد بھی ہیں اس کے علاوہ میں صرف ایک فرد کو نہ پڑھاؤں گا اس لئے کہ میرا وقت میرے اپنے لئے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر جناب حسن علی اپنی طرح کے مزید دس افراد تیار کر لے تو میں بھی جناب معلم کی طرح اسی جگہ رات کا مدرسہ بنالونگا اور تمام افراد کو اپنی استعداد کے مطابق خواندہ بنالونگا جس سے ہر کتاب پڑھ لیں اور ہر قسم کی لکھائی کر لیں لیکن اس کام میں میری تین شرائط ہیں اور اس کے کئی فوائد ہیں۔

حسن علی کہنے لگا، میں دس افراد تلاش کر لوں گا۔ اگر تمہاری شرائط مشکل ہیں تو ہمارے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص حاضر نہ ہوگا وہ زیادہ رقم دے گا۔

جواد نے کہا، زیادہ رقم؟ نہیں نہیں! میں کسی قسم کی رقم نہیں مانگتا بلکہ میری شرط یہ ہیں:۔

☆ میرا والد انہی دس افراد میں سے ہوگا۔

☆ میں کسی بے ہنر شخص کو تعلیم نہ دوں گا۔ میرا والد پالان دوز ہے، تم لوہار ہو، اسی طرح باقی آٹھ افراد کیلئے بھی ضروری ہے کہ صنعتی کام میں استاد ہوں مثلاً نجاری، بڑھئی، رنگریزی، خیاطی، کفاشی، کھیتی باڑی اور اس قسم کے دوسرے ہنر۔

☆ میرے والد کے علاوہ دوسرے افراد کیلئے لازم ہوگا کہ میں جو ہنر چاہوں گا مجھے سکھانے اور یاد کرانے میں عذر نہ کریں گے البتہ میں بھی عہد کروں گا کہ انہیں پڑھانے میں جتنا وقت خرچ کروں گا ان سے اس سے زیادہ وقت نہ لوں۔

حسن علی نے کہا، بہت بہتر! تمہارا پروگرام دُرست اور مناسب ہے نیز تمہاری باتیں بھی بہت عمدہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ ہمیشہ خوش بخت رہو۔ میں دوسرے آٹھ افراد کو بھی آمادہ کرلوں گا۔ تمہاری شرائط بھی عمدہ اور بہترین لیکن تم نے فائدے کا نہیں بتایا کہ اس میں کون سا بڑا فائدہ ہے؟

جواد نے کہا، اسکا بڑا فائدہ یہ ہے کہ تم نے میری شرائط قبول کرلی ہیں، اب میں ان دس افراد کو ایک ماہ کے اندر اندر خواندہ بنادونگا۔

حسن علی نے حیرت سے کہا، ایک ماہ؟ بہت خوب!

جواد نے کہا، ہاں! ایک ماہ یا زیادہ سے زیادہ ۳۲ دن۔

جواد کا باپ کہنے لگا، میرے بیٹے! کیا اس سے کم عرصہ نہیں ہوسکتا؟

جواد نے کہا، ہرگز نہیں! آخر یہ لوگ خواندگی کو کیا سمجھتے ہیں؟

یہی کہ جو کچھ کہا جائے یا پڑھا جائے اسے لکھا جائے بہرحال خواندگی کی کنجی یہی ہے کہ انسان لکھ پڑھ سکے اس کے بعد اسی حسن علی کو جو کچھ کہا جائیگا لکھ لے گا اور دوسری باتیں اسکی اپنی لیاقت پر منحصر ہیں، چاہیے سلام لکھے یا زہرمار، یا پھر کتاب پڑھ کر اسے یاد کرلے اور صرف خط لکھنے پر قناعت کرلے۔

حسن علی نے کہا، میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جو باتیں زبان سے ادا کرتا ہوں اسے لکھ لوں اور جو کچھ لکھوں اسے پڑھ لوں، میرے لئے یہی کافی ہے۔

جواد نے کہا، اب تم خود ہی کہہ رہے ہو کہ تم واجبی طور پر لکھنا پڑھنا چاہتے ہو لیکن تم دیکھو گے کہ جتنا زیادہ پڑھو گے اتنا ہی زیادہ سمجھو گے اور اتنا ہی فائدہ اُٹھاؤ گے۔ ہر شخص کیلئے تھوڑا بہت حساب اور جیومیٹری جاننا ضروری ہے بہرحال میں کوشش کروں گا کہ خوانگی کی کنجی تمہارے ہاتھ دے دوں۔

کام کی ترتیب طے کرلی گئی، حسن علی نے دوسرے آٹھ افراد بھی تلاش کر لئے جن میں جواد کے مدرسہ کے دس شاگردوں کی ترتیب کچھ یوں تھی:۔

۱ ......جواد کا بوڑھا باپ پالان دوز ۲ ......حسن علی لوہار

۳......حسین نانبائی ٤......استاد جعفر بنا

٥......شیر محمد قالین باف ٦......جوانمرد قصاب

۷......حاجی زینل کسان ۸......حرمحمد رنگریز

۹......غلام حسین کوزہ ساز ۱۰ ......استاد رحیم بڑھئی۔

تمام افراد کی عمریں پچاس ساٹھ سال کے درمیان تھی جو بوڑھے پالان دوز اور حسن علی سے واقف تھے اور چاہتے تھے کہ خواندہ بنیں اس لئے انہوں نے جواد کی شرائط قبول کرلی تھیں۔

پہلی بار جبکہ مدرسہ کا افتتاح کیا گیا تو جواد نے اپنے شاگردوں کو اسی پالان دوزی کی دوکان میں ایک صف میں بٹھا دیا اس دوکان کا ایک رستہ ان کے گھر کی طرف جاتا تھا۔

جواد سامنے کھڑا ہو گیا بالکل اسی طرح جیسے اس نے جناب معلم سے سیکھا تھا اس کے بعد سبق شروع کر دیا۔

خوب! میرے بزرگو! اپنے حواس جمع رکھو، تم بچے نہیں ہو اور کھیل کود میں اپنا وقت بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تم اس مدرسہ میں اس لئے آئے ہو کہ لکھنا پڑھنا سیکھو۔ پس اا چھی طرح یاد رکھو کہ حسن علی تمہارا نمائندہ ہے اسلئے تمہاری طرف سے میرے سوالات کا جواب دے گا لیکن سبق تو سب کیلئے برابر اور ایک جیسا ہے اب میں تم سے چند سوال پوچھتا ہوں۔

مجھے بتاؤ کہ تم کتنے پھولوں درختوں اور گھاس کے نام جانتے ہو؟

حسن علی نے جواب دیا، بہت سے، سو بلکہ دو سو تک۔

جواد نے پوچھا، تم کتنے لوگوں کے نام جانتے، ہو کیا مجھے بتا سکتے ہو۔

حسن علی نے کہا، بہت سے جناب، سو بلکہ ہزار۔

جواد نے کہا، بہت خوب! تم کھانے کی کتنی چیزوں سے واقف ہو؟

حسن علی نے کہا، جناب! ہم کھانے کی ایسی چیزیں بھی جانتے ہیں جنہیں کھا چکے ہیں اور ایسی چیزوں سے بھی واقف ہیں جو ہم نے ابھی تک نہیں کھائیں۔

جواد نے پوچھا، ہم روزانہ جو کام انجام دیتے ہیں ان میں سے کونسی چیزیں گن سکتے ہو مثلاً کھڑا ہونا، بیٹھنا، سونا، اُٹھنا، چلنا، آنا، کہنا۔

حسن علی نے ہنستے ہوئے کہا، میں بھی اس طرح کے کئی کام شمار کرسکتا ہوں۔ مثلاً دوڑنا، گرنا، کھانا، خریدنا، بیچنا، دیکھنا، دھونا، مارنا، باندھنا، وڑنا، بنانا اور کئی دوسرے کام۔

جواد نے پوچھا، خوب! جب تم میرا نام لینا چاہو تو کیا کہو گے؟

حسن علی نے کہا، میں کہوں گا، جواد۔

جواد نے پوچھا، جب میں یہاں سے جانا چاہوں یا آنا چاہوں تو کیا کہو گے؟

حسن علی نے کہا، میں کہوں گا، جاؤ جاؤ۔

جواد نے کہا، خوب! میرے بزرگو! ہم کہنا سننا جانتے اور سمجھتے ہیں اسی طرح لکھنا بھی ایسے ہی ہے یعنی جو کچھ کہتے ہیں اسی کو کاغذ پر لکھ دیتے ہیں یا لکھا ہوا پڑھ لیتے ہیں جب تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ کہی ہوئی باتیں لکھ سکو یا لکھی ہوئی باتیں پڑھ لو تو گویا تم نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے۔ دُنیا میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی نام ہے یا ہر کام کیلئے ایک نام مقرر ہے لیکن بعض نام لمبے اور بڑے ہوتے ہیں جیسے بنولے کا بیج۔ ان ناموں کی ادائیگی کیلئے دو تین مرتبہ زبان کھولی جاتی ہے۔ پس ہماری زبان اور منہ بھی ایک برتن کے مانند ہے جہاں تمام الفاظ سما سکتے ہیں اسلئے ہم اپنی زبان اور منہ سے تمام حروف اور الفاظ کہہ سکتے ہیں لیکن کاغذ کی زبان اور منہ نہیں ہوتے۔ ہم جو خط لکھتے ہیں یا پڑھتے ہیں ان کی زبان اور منہ قلم اور کاغذ ہے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہی الفاظ اپنی زبان سے ادا کر لیتے ہیں اسی طرح ہم جو کہتے ہیں اسے کاغذ پر لکھ لیتے ہیں تاکہ دوبارہ پڑھ لیں۔ بولتے وقت ہماری زبان اور منہ ۳۲ سے زیادہ مرتبہ حرکت نہیں کرتے یعنی ہم دنیا کے تمام الفاظ انہی ۳۲ حرکات سے ادا کرسکتے ہیں۔ اسی طرح لکھنے میں بھی انہی ۳۲ علامات سے کام لیا جاتا ہے یعنی ہم تمام حروف اور الفاظ انہیں ۳۲ علامات کی مدد سے لکھ سکتے ہیں اور پڑھ لیتے ہیں۔

لکھنا بھی بولنے کی طرح ہے یعنی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ ہم نے بولنا تو بچپن ہی سے سیکھ لیا ہے۔ جس کیلئے زبان اور منہ کی ۳۲ حرکات سے مدد لیتے ہیں جب ہم ان ۳۲ علامات کا لکھنا سیکھ لینگے تو ہمارے لئے بولنے کی طرح لکھنا اور پڑھنا آسان ہوجائیگا خلاصہ یہ کہ خواندگی کیلئے ضروری ہے کہ انہی ۳۲ علامات کی پہچان کریں۔

میں آج ہی سے ہر روز تمہیں ایک علامات لکھاؤں گا اور چند دن کے بعد دوسری علامتیں ہر روز سیکھنی ہوں گی۔ جب ۳۲ علامتیں پوری ہوگئیں تو چند دن ان کی مدد سے لکھتے اور پڑھتے رہو گے اس طرح لکھنے پڑھنے کا کام مکمل ہوجائے گا۔

آج پہلا دن ہے اس لئے ایک حرف یعنی ایک علامت یاد کریں جو 'ب' ہے۔ جب ہم اپنے دونوں لب آپس میں ملاتے ہیں 'ب' کی ادائیگی کر لیتے ہیں یہ علامت کاغذ پر لکھی ہے جسے غور سے دیکھ لو۔ جس کا ایک دندانہ اور اس کے نیچے ایک نقطہ ہے۔ یہ علامت بھی انہی ۳۲ علامتوں میں سے ہے جس کے ذریعے ہم دنیا کے تمام الفاظ لکھ سکتے ہیں۔

میرے بزرگو! تمہارا آج کا سبق یہ ہے کہ میں کاغذ پر پچاس کلمے لکھ کر تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ انہیں غور سے دیکھنا اور کل رات مجھے بتانا کہ ان کلمات میں 'ب' کی علامت کتنی جگہ پر لکھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ علامت اپنے اپنے کاغذ پر سو مرتبہ لکھ کر مجھے دکھانا۔ جب تم کسی کاغذ یا کتاب میں یہ علامت دیکھو تو سمجھ لینا یہ وہی 'ب' کی علامت ہے جس کی آواز دو لبوں کو ملا کر زبان اور منہ سے نکالی جاتی ہے۔

شاگرد چلے گئے اور اپنا سبق یاد کرتے رہے۔ دوسری رات جواد نے 'ت' اور اس کے بعد شاگردوں کو 'ا' سکھائے۔ جب تمام حروف سیکھ لئے اور الگ الگ لکھنے لگے تو اگلی راتوں کے اسباق میں ان علامات کو آپس میں ملانے اور ایک دوسرے سے الگ کرنے بھی سکھا دیئے۔ بہر حال ایک ماہ کے بعد یہی دس افراد اس قابل ہو گئے کہ حرف اور علامات لکھ سکیں اور پڑھ لیں۔

تب جواد نے کہا، اب خواندگی کی کنجی تمہارے ہاتھ ہے، تم جتنا زیادہ پڑھو گے اور زیادہ لکھو گے، تمہاری لکھائی عمدہ اور بہتر بنے گی۔ تمام افراد نہایت خوش تھے کہ انہوں نے تھوڑے سے دِنوں میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے۔

جواد نے کہا، اب وقت آگیا ہے کہ تم بھی اپنے وعدہ پر عمل کرو۔ انہوں نے کہا، ہم حاضر ہیں۔

جواد نے کہا، اب جاؤ اور اس سامان اور اوزاروں کے نام لکھ لاؤ، جن سے اپنے پیشے میں کام لیتے ہو، تمام افراد چلے گئے اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ بڑھئی نے لکھا تیشہ، آری، رندہ، چونسہ، برما، ہتھوڑی اور باقی اوزار جو بڑھئی کیلئے ضروری ہوتے ہیں دوسرے کاریگروں اور ہنرمندوں نے بھی اپنے اپنے کام آنے والے اوزاروں اور ہتھیاروں کے نام لکھ لئے اور لے آئے۔

دوسری رات جواد نے کہا، اب ان چیزوں کے نام لکھو، جنہیں تم اپنے اوزاروں سے بناتے ہو؟

تمام افراد اپنی جگہ پر چلے گئے اور لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اینٹوں کے مستری نے لکھا: بنیاد، کھڑکی، کمرہ، باورچی خانہ، پلہ، حمام، دروازہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔

دوسری رات جواد نے کہا، اب تعمیر میں کام آنے والے تمام مصالحہ جات اور دوسرے لوازمات لکھ لاؤ۔

بنا یعنی اینٹوں کے مستری نے لکھا: مٹی، چونا، رسی، اینٹیں، پتھر، رنگ، لکڑی اور باقی چیزیں۔

ہر ایک فرد نے اپنی سوچ کے مطابق اپنے اپنے کاغذ پر لکھا اور جواد نے دیکھ کر کہا، اب بیٹھ جاؤ اور میرے سوالات کا جواب دو۔

جواد نے ان سے چند سوالات پوچھے اور اس گفت وشنید سے کئی معلومات حاصل کیں مثلاً مستری سے پوچھا، تیفہ کیا ہوتا ہے؟

بنا نے کہا، تیفہ ایسی دیوار ہوتی ہے جس کی ساخت کیلئے باریک اینٹیں ایک دوسرے کے اوپر لگائی جاتی ہیں اس میں گارا چونا یا ملاط استعمال کے جاتا ہے۔ جواد نے پوچھا، کوب! ملاط کسے کہتے ہیں؟

بنا نے کہا، ملاط نرم گارے کو کہتے ہیں جسکے ذریعے اینٹیں اور پتھر آپس میں جوڑتے ہیں جو خشک ہونے کے بعد مضبوط ہو جاتے ہیں۔ تیفہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

بنا نے کہا، تیفہ چار اقسام کا ہوتا ہے: افقی، کوے کے پر والا پنجرہ اور صندوقچہ وغیرہ۔

جواد ان اقسام کی تفصیل اپنی کاپی میں لکھتا جاتا تھا۔ اسی طرح قصاب، سنگریز اور دوسرے کاریگروں کی باتیں بھی لکھ لی گئیں اس طرح تمام ہنرمندوں کے سامان اوزار، مصالحہ جات کی تفصیل لکھنے کے علاوہ ان میں سے چند اوزاروں کی تصویریں بھی بنالی گئیں۔

جواد ان باتوں کا جاننا کس لئے ضروری سمجھتا تھا؟ جواد نے ایک دن دیکھا تھا کہ ہمارے مکتب کا معلم ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کا نام **فرہنگ مکتب خانہ** ہے۔ اس کتاب میں وہ تمام باتیں اور ضروری سامان کی تفصیل ہوگی جو پڑھنے پڑھانے میں کام آتے ہیں۔

معلم نے بتایا تھا کہ یہ کتاب میری یادگار ہوگی تاکہ آنے والے لوگ اسے پڑھ کر اندازہ لگا سکیں کہ آج کل کے مدرسے ان کا سامان، طریقہ تعلیم، اوقات درس اور کتابیں کون کون سی ہیں۔ اس وقت تمام اشخاص کہیں گے ہمارے معلم پر آفرین ہے جس نے یہ عمدہ کتاب لکھی۔

جواد نے یہ تمام باتیں اپنے ذہن نشین کر رکھی تھیں بلکہ سب لوگ کہتے تھے، جواد پالان دوز پر آفرین ہے۔ وہ مکتب میں تعلیم بھی حاصل کرتا ہے اور ہنرمندوں کیلئے کتابیں بھی لکھ رہا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

۱......فرہنگ بنائی تالیف جواد پالان دوز از رہنمائی استاد جعفر بنا

۲......فرہنگ پالان دوزی تالیف جواد پالان دوز از رہنمائی پیر پالان دوز

۳......فرہنگ قالین بافی تالیف جواد پالان دوز از رہنمائی استاد شیر محمد قالین باف

٤......فرہنگ کوزہ سازی تالیف جواد پالان دوز از رہنمائی غلام حسین کوزہ ساز

۵......فرہنگ آہن گری تالیف جواد پالان دوز از رہنمائی استاد حسن علی لوہار

اور باقی کتابیں بھی انہی جیسے ناموں سے لکھی گئیں۔

جواد پہلا شخص تھا جس نے اپنی کتابوں کی بدولت محکمہ تعلیم و تربیت سے انعام حاصل کیا بلکہ اس کا نام دانشمندوں، محققوں اور مؤلفوں کی فہرست میں لکھا گیا۔

ایک دن اس کے دوست نے جواد سے کہا، جواد! اب تم نے کئی کتابیں لکھ لی ہیں اور تمہیں شہرت اور بزرگی مل گئی ہے۔ اب تم اپنا خاندانی نام تبدیل کرلو۔ایسا نام تجویز کرو جو خوبصورت ہو اور پالان دوز نہ ہو۔

جواد نے کہا، نہیں میرے عزیز! تمہاری سوچ نہایت بچگانہ ہے۔ خوبصورت یا بے فائدہ نام تو کئی ہیں میں تو ایسا کام کررہا ہوں کہ لوگ اسی نام کی عزت کریں گے۔ خیام بھی خیمہ ساز کا نام ہے میرا نام بھی خیمہ دوز کے مانند ہے۔ میرے دوست! بزرگی اور افتخار خوبصورت نام میں نہیں ہے بلکہ خوبصورت اور عمدہ کام کی وجہ ہے اگر میرے کام قیمتی اور کارآمد ہیں تو میرا پالان دوز ہونا بھی قیامت تک یادرہے گا اور جو لوگ میری کتابیں پڑھیں گے یہی کہیں گے کہ جواد پالان دوز پر آفرین ہے۔

ہاں! اگر کسی کا کام معمولی اور کم قیمت ہو تو اس کا خوبصورت نام دو دِرہم کی قیمت بھی نہیں پاتا۔

اس کے دوست نے کہا، تم دُرست کہہ رہے ہو۔ بارک اللہ! جواد پالان دوز۔

جونہی جواد کی پہلی کلاس اختتام کو پہنچی تو اگلی کلاس میں بیس افراد کا داخلہ ہوگیا۔ جواد اب بھی چاہتا تھا کہ مزید کتابیں لکھے اس کی کتابیں مکمل اور بے عیب نہ تھیں تاہم اہل علم، اہل فن اور اہل ہنر کیلئے قیمتی سرمایہ تھیں بلکہ ان افراد کیلئے پیش خیمہ تھیں جو اس سے بہتر لکھ سکتے تھے اور جانتے تھے۔

میرے دوستو! جب سب لوگ خواندہ ہوتے ہیں تو اپنے علم و تجربہ کی بناء پر ہر قسم کی یادداشتیں لکھ لیتے ہیں تاکہ آئندہ نسلوں کیلئے بھی مفید ثابت ہوں اور دُنیا کی خوشنمائی میں اِضافہ ہو۔